

انسانی قربانیاں

یعنی چند اصلاحی معاشرتی مضامین کا دگر مجموعہ

مؤلفہ نذرہ نقولا اولوف
مترجمہ محمد حسین محوی، صدیقی

جس کے شروع میں عہد حاضر کی بہترین انسا پر د از خاتون البیہ شہم
مدیرہ رسالہ ”نمایۃ الشرق“ مصر کا لکھا ہوا مقدمہ ہے

”ایک پاک باز عورت ہے جس نے زمین پر جس قدر بھی
جس نے کبھی کوئی جرم نہیں کیا
اور نہ کوئی بدکاری کی مگر قانون نے
اس کو بدکار خیال کر کے نہایت
بے وردی سے پامال کر ڈالا۔ اور
ایک بدچلن مرد جس نے خطرناک
جرم کئے تب بھی بشریت نے اُس کو اعزاز ہی یا
(یا سمین) کیسری دس بیٹھ کے اہتمام سے نوکشر پیریں لکھنؤ میں چھپی اور (درودہ ناسکہ)

حقوق محفوظ دائرہ ادبیہ، لکھنؤ نے شائع کی قیمت در

مین ذرا نہیں ڈرنا، اگر لوگ مجھے خطا وار ٹھیرائیں جب کہ میں اپنے
کو راہ راست پر جانتا ہوں۔ اور مجھے کچھ مسرت نہیں ہوتی اگر
لوگ مجھے کو راہ راست پر سمجھیں جب کہ میں اپنا غلطی پر ہونا سمجھ لیتا ہوں۔

”ڈاکٹر شکیل“

تہذیبِ کتاب

مصر کے مشہور رسالہ (ثقافة الشرق) کی مدیرہ و مالکہ اور زمانہ موجودہ کی
بہترین انشا پرداز خاتون

لیبہ ہاشم
کی خدمت میں

ستیدہ عزیزہ

میں آپ میں ایسا دماغ پاتا ہوں جو سوسائٹی (ہیئتِ اجتماعیہ) کے
زخموں کی کوششیں اندام میں غیرت کے مارے پاش پاش ہوا جاتا ہے،
اور ایسا دل جو بے نصیب فرزند ان انسانیت کی ہمدردی میں گھلا جاتا ہے
اور آپ ہی کی طرف سے اپنی کتاب کے لیے میں نے یکوشم اہتمام
دیکھا تو جی چاہتا ہے کہ ہزار ہا اخلاص کے ساتھ آپ ہی کی خدمت میں اسے
پیش کر دوں۔ پس آپ سے قبول کر کے مجھے سرفراز فرمائیے اے معزز خاتون!
آپ کا مخلص
نذرہ

۲ فیلکس فارس

مشہور اخبار ”سان الاتحاد“ کے مسند ریڈر
کی رائے

انجی مندرہ

مین نے تمھاری کتاب ضحایا (قریبا نیان) پڑھی
مین تمھارے قلم مین ایک فصیح زبان دیکھتا ہوں جو درمند انسانیت کے مال و
فریاد کی ترجمانی کرتی ہے۔ اور اسی قلم مین ایک ایسی قوت پھنان پاتا ہوں جو عقرب
زخمائے کھن کے لیے مرہم کا کام دیگی۔

تھیں آج وہ شاعر ہوں جس نے اپنے گرد و پیش کی تصویر کھینچی مگر زمانہ گزرنے کے ساتھ ساتھ
جس وقت یہ تصویر بنی تمھاری ذات مین منطبع ہو جائیگی جس وقت تمھاری سہنی مین ایک دوسری شکل
دنیا جلد و گرجوگی۔ اس وقت تمھارے آئینہ ایک حکمت آؤ تمھارا ہر زمانہ ایک فلسفہ ہوگا۔

مجھے کس قدر مسرت ہوئی ہے جب مین دیکھتا ہوں کہ تم دنیا کے ادب کے دروازہ
پر کھڑے ہو۔ دنیا کے مصلح و سوائی کے مبلغ پر اسی شان سے آؤ مین
وہ منطبع جو شاعر پیدا ہوا ہے ہمیشہ اپنی نظرت پر رہتا ہے وہی سیاست اور علم کا
بھی شاعر ہوتا ہے اور وہ اس دور زندگی مین جس راستے پر بھی چلتا چاہتا ہے ہمیشہ
آسمانی شعلہ کا یہ ترین نشان اُس کی راہ نما ہوتا ہے: ”محبت انسانی“

فیلکس فارس

برصغیر ۲۵۔ ایاز آباد (پنجاب) مسند لکھنؤ

مقدمہ

شکر ہے اُس غایت قدرت کا جس نے اس دور جدید میں تہذیبی
بیداری کی طرف اپنا ہاتھ بڑھایا اور چند ایسے خدا کے بندے پیدا کر دیے جو ذاتی
اغراض سے پاک ہیں۔

انھوں نے اپنے نفوس کو قید کی زنجیروں سے آزاد کر لیا۔ اور رسم و رواج
کے قانون پر ایک ایسی گہری نگاہ ڈالی جو آدمیوں سے پاک اور عقاید فاسدہ
سے دور تھی۔ انھوں نے اُس کمزوری دے رہے راہروی کو محسوس کیا جو ان قوانین
کے نظام میں پیدا ہو گئی ہے اور جس کی بدولت ایک ناتوان ہستی پر ظلم و حق تلفی
واقع ہوتی ہے (ذاتی حریت اور علمی حقایق سے محرومی کا تو کچھ ذکر ہی نہیں) تب
وہ رنج و افسوس کے ساتھ روئے اور ہم نے دیکھا کہ ان کے آنسو حجاب بن گئے
گرتے ہیں اور پیاسی عقلوں کی خاک پر ٹپک کر ان کی سوزش تشنگی کو بھجادیے
ہیں اور جہالت و اہل کم کی بنیادوں میں سرایت کر کے ان کے آثار کو مٹا دیتے ہیں۔
ان کو حقایق کی نشوونما کے قابل بنا کر نار و رسوم و رواج کو بالکل پارہ پارہ
کر دینے پر قادر بنا دیتے ہیں۔

اس کتاب کے فاضل مصنف، ان حضرات کے پیش رو ہیں جنھوں نے
تہذیب و اخلاق کے سرچشموں سے اب شیریں گینچا ہے چنانچہ موصوف نے

ایک رسالہ معاشرتی مضامین پر شائع کیا اور اس کو اپنے علم و ادب کی
 قوت اور صائب و استوار رایوں سے آراستہ کیا۔ پھر اُن مضامین کو اس
 مجموعے میں جمع کر کے بہن ممنون منت بنایا اور اس کا مقدمہ لکھنے کے لیے
 مجھ سے فرمایش کی

مین نے کتاب کو جستہ جستہ دیکھا، اس کتاب کی معنوی خوبیاں اور اس
 آسان حقیقت کی (وجود انائی کے ستاروں سے مرصع ہے) جلوہ آرائیاں دکھ کر
 مجھ پر مصنف کی عظمت اور ایک حیرت کا کیا تاؤن کہ کیا عالم تھا۔ مین حیران تھی
 کہ اس روح طاہرہ نے میرے دل میں اپنے مضامین سے جو خیالات بھر دیے
 ہیں، انہیں بیان کروں، یا اس صدا سے حقیقت کو نقل کروں، جو اس
 کتاب کی عبارتوں میں گونجتی ہوئی سنتی ہوں؟ دونوں کا ایک دریا ہے
 بے پایاں، کہ میرا بیان اُس کے احاطے سے قاصر اور اس کی گہرائیوں کی تھاہ
 لانا میرے امکان سے باہر ہے۔ مگر اس خیال نے کہ فاضل مولف نے اپنی بہت
 عورتوں کو تقویت دلائے بہت بڑھانے میں صرف کی ہے اور جو روستم کے ہاتھوں
 سے اُن کو چھوڑانے کی کوشش فرمائی ہے، باوجود اپنے عجز و تقصیر کے، مجھ کو موصوف
 کے تعمیل ارشاد پر حبات دلائی۔ شاید اس صورت سے مین کچھ اُن ذریعہ احسانا
 کا شکریہ ادا کر سکوں جو میری ہم جنس لڑکیوں پر فاضل مصنف نے کیے ہیں۔
 جناب مولف تمدن و اجتماع کی تہ تک پہنچے، اور تمدنی امراض کے تمام

مقامات کو غور سے دیکھ کر ہماری اجتماعی زندگی میں جو خرابیاں اور بیماریاں پھیل گئی ہیں، اُن پر درد و حزن کے ساتھ وہ خود بھی روئے، اور بہت سی آنکھوں کوڑ لایا۔ بیشک ہماری یہ اجتماعی خرابیاں ایک بیماری ہے جان لیوا، اور ایک بلا ہے بے درمان، ضرورت ہے کہ ہم مرد کو ایسی صحیح تربیت دیں جو اُس کے فطری استبداد سے دور رکھے، اور ہم مرد کو بتا دیں کہ اُس کے مقابلے میں عورت کا حقیقی مرتبہ کیا ہے؟ تاکہ عورت کی کم مائیگی بے قدری کا جو اعتقاد اُس کے دل میں جم گیا ہے وہ زائل ہو سکے، اور اُس پر ظاہر ہو جائے کہ عورت کے حقوق کا احترام اور اُس کے ذاتی مراتب کی نگہداشت کس حد تک مرد پر واجب ہے؟

نگہداشت کے یہ معنی نہیں ہیں کہ مرد عورت کو اپنے گھر کی چار دیواری اور سخت پردوں کی قید میں رکھے، اس خیال سے کہ اُن تک نظر نہ پونچھیں، اور خود غیر عورتوں کو بھانسنے کے لیے مکروزیب کا جال بچھاتا پھرے۔ اسکو پاس ناموس اور سچی نگہداشت سے ذرا بھی لگاؤ نہیں، بلکہ یہ محض اپنی عظمت و خودی کا اظہار، ذاتی تربیت، اور ناقص تعلیم کا نتیجہ ہے، جو اکثر قابل ترین فطری طبائع کو بھی غارت کر کے اُن میں مصنوعی اخلاق اور بُری عادتیں پیدا کر دیتا ہے۔ اگر ہم فطرت اور مخلوقات فطرت کے حالات، ادنیٰ درجے کے نباتات سے لیکر اعلیٰ درجے کے حیوانات تک دیکھیں تو انھیں ایسے نظام پر پائین گے جس کی بنیاد اُن ضروری اصول پر قائم ہے جسے انسان بہت کم جانتا ہے،

چنانچہ حیوانات باہم نہایت لطف سے پیش آتے ہیں اور اپنی مادہ کے ساتھ
کیسا کچھ مہربانی کا برتاؤ کرتے ہیں۔ نیز اپنی صنف کی حفاظت کے لیے پورے
مساعی عمل میں لاتے ہیں۔ یہی وہ باتیں ہیں جنھوں نے ایک عقلمند کی نظر
میں تمام سوادِ اعظم کی اُن مہذب قوموں سے زیادہ ان حیوانات کو بلند مرتبہ
نمایت کر دکھایا ہے جنھوں نے خود اپنی جانوں کے لیے بہت سے دکھ درد
پیدا کر لیے ہیں۔ مثلاً فرانس جہاں بانجھ ہونے کا مرض اور بہت سی پست اخلاقیات
اور بیماریاں نمایاں ہیں۔

پس کیا اچھا ہو گا وہ دن جس دن مرد ترقی کی آخری حد تک پہنچ جائیگا
اور ساتھ ہی یہ بھی جان لیگا کہ عورت کے ساتھ جو ناگوار برتاؤ کیا جاتا ہے اُس سے
عورت کی غرض یہ ایش کہیں بلند ہے تب وہ عورت کی قدر و مرتبہ کو بچا لیگا،
اُس کے حقوق کا احترام ملحوظ رکھیگا، اور عورت کو اس قابل بنا سکے گا کہ اپنی حقوق
شناسی، و خود داری اور بقائے اعزاز کے لیے جس اہتمام کی ضرورت ہے اُسے
سمجھنے لگے۔ اُس وقت عورت اپنے ظاہری حسن و جمال کے اہتمام اور بارائش و
نمائش کے شوق کو چھوڑ کر معنوی اخلاق اور باطنی صفات کی درستی کی طرف
متوجہ ہو گئی جس کی اہمیت ظاہری نمائش سے کہیں زیادہ ہے۔

اس صورت میں اُس کے آدابِ اخلاق کا باغ ایسے پھول کھلائے بغیر
نہ رہیگا جن سے انسانی نفوس و جدمین آجاتے ہیں اور زمانہ جہاں و ٹھکانہ ہے۔

اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ محض عورت ہی کی ترقی سے تمام قوم ترقی کر سکتی
اور ان تمام معاشرتی امراض سے شفا پاسکتی ہے جبکہ نبض حضرت مولف نے اپنی حکیمانہ
تفکیر سے پہچانی اور مرض کو تشخیص کیا اور قوم کے لیے جن باہمی ایذاؤں کا بخنود کے قیام اور با
آزادانہ شرفیاد تعلیم کو نئی پود کے سینہ میں راسخ کر کے ضرورت ہے اسے صاف صاف بیان
کر دیا کہ ہر شخص اپنے فرائض کو پہچان لے۔ انھوں نے حکام وقت ان باپ اور ارباب
سب کے لیے کوئی نصیحت اٹھا نہیں رکھی۔ غریبوں کی زیادہ سی کے لیے ہمدردی کا ہاتھ
پھیلانے کی بد اطوار عورتوں کو بستی سے نکالنے کی نارسے پھر نیا لے اور سرکوں پر
پڑے ہوئے لاوارث بچوں کی آئندہ حالت سنبھالنے کی نیز ان کے علاوہ اسی قسم کی اور
دوسری ہدایتیں کی ہیں۔ مثلاً اپنی بڑی عادتوں کی جانچ کرنا، اپنی ہمسایہ قوموں کی معاشر
ت میں جو خرابیاں ہیں ان سے ہوشیار رہنا، اس کے ساتھ ہی اپنی فکر و ن کو عمدہ باتوں
کی تہوں تک پہنچنے، اخلاق و آداب پھیلانے، اہل علم و ارباب قلم کو کس برسی کی دنیا
سے نکالنے کی طرف متوجہ کرنا یہ سب باتیں کچھ ایسی دلگداز عبارت میں ادا کی ہیں جسکے الفاظ
کی شیرینی اسلوب بیان کی نزاکت درود اثر کی خوبی کا فیصلہ میں کتاب کے معزز
پڑھنے والوں کی رائے پر چھوڑتی ہوں۔ اور اس نفیس تحفہ کے لیے فاضل مولف
کا شکریہ ادا کرنے پر کفایت کرتی ہوں۔ یہ چند مضامین کا نفیس تحفہ حقیقت میں چند
پاک آنسو ہیں جو مولف کے دلی جذبات نے انسانی قوانین پر بہائے ہیں !

لیلیہ ہاشم

۸ درمند انسانیت کی فریاد

یاسمین

ایک دن میں شہر سے نکل کر کھلے میدانوں کی سیر کر رہا تھا کہ اُن مناظر سے
لطف اٹھاؤں جن سے میرا غم نصیب دل خوش ہوتا ہے۔ اور موسم خزاں کی
اُن پیوں کو دیکھوں جو قبروں پر کھیری پڑی ہیں اور چند اُسو اُن بدستوں پر ہاؤں
جن کو تمدن کی کندھیری نے بیدردی سے حلال کیا ہے۔ مین ایک دادی کے
کنارے پونچر ٹھہر گیا تاکہ بھینی بھینی نسیم کے سچے کین کا لطف اٹھاؤں اور شاخوں پر
بیٹھی ہوئی بلبل شفیقہ کے نغمے سنوں۔ مین شاید ایک طرف نظر اٹھا کر دیکھا کہ شاید
کوئی ایسی کلی ہاتھ آئے جسے قدرت نے اس کی بیوں کے باعث اپنے لیے محفوظ
رکھا ہو تو اُس سے مین اپنے سینے کو زینت دے گا۔ مین مجھے ایک شبہ اپنی
ظاہر نہ بڑھتی ہوئی نظر آئی اور رونے کی آواز بھی میرے سینے میں گونے لگی۔ مین نے
خیالی کیا شاید کوئی سرکش روح ہے جو شاہ موت کے آگے سر تسلیم جھکانے سے
متکبر ہو کر کسی قبر سے نکل آئی ہے اور مجھ سے زندگی کے کچھ سربستہ راز بیان کر نیچے لیے آ رہی
وہ شبیہ اور آگے بڑھ آئی اور آواز بھی قریب ہو گئی۔

ایک برہنہ جسم ہے جس کو دو آدمی اٹھاسے ہوئے ہیں۔ اور ان دونوں کے

بیچھے ایک عورت ہے جو زار زار روتی اور فریاد کرتی ہے۔ ایک نوجوان لڑکی جو عالم بہار میں تھی اُس کے چہرے سے موت کے ظالم ہاتھوں نے رعنائی جمال کو مٹا دیا ہے۔ آج وہ خاک میں دفن ہونے والی ہے اور اسکی مان جھکی ہوئی اپنے آنسوؤں سے قبر کو بھگو رہی ہے اور اپنی پیاری بیٹی کا وصہ کرتی ہوئی۔ یوں کہہ رہی ہے :

رحم کر پروردگار! کیا تجھے میرے دل پر رحم نہیں آتا، وہ دل جس کو زمانے کی گردشوں نے پس ڈالا ہے۔ کیا تو میرے مصائب میں اور اضافہ کرتا ہے جن کے اٹھانے کی اب مجھ میں طاقت نہیں؟ کیا میرے لیے میرے عزیز شہداء اور پیارے بیٹے کی موت کافی نہ تھی جو تو نے ایک اور عزیز ہستی کو میرے ہاتھوں سے چھین لینے کا حکم دیدیا جسے میں اس زندگی میں بہت عزیز رکھتی تھی؟

اے! اے یاسمین! اے میری پیاری بیٹی، جدائی کی گھڑیوں نے کس طرح ہم میں تفرقہ ڈال دیا۔ اور تجھ کو مجھ سے چھڑا لیا؟ تو اے میری پاکیزہ بچی وہ تھی جس کی تیرے خوشبو نسیم صبح کے نیکو لہروں کے ساتھ ملکر بھیلنے بھی نہ پائی تھی کہ ایک گنہگار ہاتھ نے اُس کی طراوت بڑھکا اُس کی تازگی کو مٹا دیا۔

اے! اے میری بیٹی، موت کس قدر سخت اور زندگی کتنی تلخ ہے؟ مجھے امید تھی کہ تیری بدولت تسکین پائی رہو گی اور تیرے باپ بھائی کی جدائی میں تجھ سے اپنے دل کو تسلی دیتی رہو گی، مگر اس ظالم بھڑیے نے

بچھے میرے سینے سے چھین لیا۔ اور مجھے بے کس دہنا چھوڑ دیا۔ میرے سخی
آنسوؤں کے سوا اب نہ کوئی معین ہے نہ مددگار !

میں اسید کرتی تھی کہ بچھے دو لہن بنی ہوئی نہ کیوں گئی، اور تجھے دکھ کر
اپنی آنکھیں ٹھنڈی کر دوں گی کہ یہ خونخوار چلتا آیا — یہ بوڑھا امیر — اور تجھ کو نجد سے
چھین کر اس نے موت کے آغوش میں دیدیا !

اے میرے رب ! اگر تو رحم کرنے والا ہے تو اس شہید کے ظالم سے اسکا بدلہ لے !
اے میرے مولا ! اگر تو قدرت والا ہے تو ہمیں اپنی قدرت کا تماشا دکھا !
اے میرے آقا ! اگر تو انصاف والا ہے تو اپنا انصاف لے کھا اور اس مظلوم کا بدلہ لے !
یہ کہا اور بیوش ہو کر گر پڑی۔ دونوں مردوں نے فوجوان لڑکی کے مزار پر
مٹی ڈال کر اُسے برابر کیا اور ایک لکڑی کی صلیب اُس پر نصیب کی، پھر اُس
بیوش عورت کو اٹھا کر جدھر سے آئے تھے اودھر ہی چلے گئے۔

✱

اب میں قبر کے سامنے آکر کھڑا ہوا، قبر کی اودھاسی میری آنکھوں میں چھا گئی
اور موت کا خیال نظروں کے سامنے پھرنے لگا، فنا کی دردناک آواز میرے
کانوں میں گونجنے لگی۔

میں کھڑے کھڑے کچھ سوچ رہا تھا کہ بڑا اختیار آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے
لیکن نہیں جانتا کہ کیوں؟ شاید یہ وہی آنسو تھے جنہیں میں قبر پر چڑھانیکے لیے لایا تھا

✱ ✱ ✱

یہ دوشیزہ رنغا، کل خوش حیات مین کھیل رہی تھی وہ آج موت کے پنجے مین ہے، فنا سے سرگوشیاں کر رہی ہے۔

یہ دوشیزہ ایک غریب بیوہ کی دلی آرزوون کا ایک بے بہا سرمایہ تھی، یہ اُس کی زندگی کی دشواریون مین ایک سہارا تھی، لیکن موت کی آندھی کا ایک جھونکا آیا اور اُس کی روشنی کو بجھا گیا...

کل ہی لڑکی اس طرح چلتی پھرتی تھی جس طرح ہم چلتے پھرتے مین، مگر آج کہاں ہے... وہ آج کہاں چلی گئی؟... ان قبرون کے اودھر عالم بقا ہے یا فنا؟ اُس شہیدہ کی مظلوم روح کہاں چلی گئی، عالم بقا یا عالم فنا کی طرف؟ یہ خیالات میرے دماغ مین، اور آنسو میری آنکھون مین ڈبڈبا رہے تھے کہ اتنے مین اپنے قریب ہی مین نے پاؤن کی آہٹ سنی، نظر اٹھا کر دیکھتا ہوں کہ ایک نوجوان جو اپنے عالم بہار مین ہے، رومال سے اپنا منہ چھپاے ہوئے چلا آ رہا ہے، وہ کہیں ٹھٹھکا ہوا نہیں، سیدھا اس لڑکی کی قبر کی طرف بڑھا چلا آیا، پھر اس قبر پر جھکا، اور اپنے دون ہاتھ آسمان کی طرف اٹھا کر دعا مانگنے لگا۔

ایک گھنٹہ گزر گیا۔ اور وہ نوجوان اسی حالت پر اپنے ہاتھ اوپر کو اٹھائے رہا، آنسو اُس کی آنکھون مین ڈبڈبا رہے تھے، جب اُس نے چلنے کا ارادہ کیا تو مین اُس کی طرف بڑھا، مگر وہ مجھے دیکھ کر جھپکا اور خوف سے کانپنے لگا،

اُس نے خیال کیا کہ میں امیر کا کوئی آدمی ہوں، اور گھر کو کر مجھ سے کہنے لگا کہ:
 جو تمہارا جی چاہے کر دو، میرا قصدا میر تک پونہ چار دو مجھے مار ڈالو، مر جانا میرے
 لیے اس سے بہتر ہے کہ مجھ پر بار محبت رہ جائے اور مرحومہ کے مزار پر چند آنسو بھی
 نہ بہا سکوں جو میری ہی محبت کی شہید ہے۔
 میں نے اُسے تسلی دی اور کہا کہ :

برادرِ من آپ ڈریے نہیں، جو آنسو آپ کی آنکھوں سے اس وقت گروے
 ہیں یہی آنسو میری آنکھیں اس سے پہلے بہا چکی ہیں۔ اور جو جذبات آپ کے
 سینے میں موج زن ہیں، وہی میرے سینے میں بھی تڑپ رہے ہیں۔ لیکن مجھے
 یہ تو بتائیے کہ آپ کی شہیدہ محبت نے کیوں کروات پائی، اور اس کو لوگ اس قبر کی
 طرف برہنہ کیوں اٹھا کر لائے تھے ؟ ...

اُس نے ایک ٹھنڈی سانس بھری جو یقیناً اُس کے مجروح دل کی گہرائیوں
 سے نکلی تھی اور یہ بولا :

اپنے باپ کی محبت کے بعد میرے دل میں پہلا جذبہ محبت جو پیدا ہوا وہ
 اس دوشیزہ کی محبت کا جذبہ تھا۔ میں اس کو عزیز رکھتا تھا اور میرا دل محبت کے
 سوا کسی شے کو عزیز نہیں رکھتا۔ میں نے اپنے دل اور اپنی آرزو دونوں کا اسی کو
 مالک بنا دیا تھا۔ کیونکہ میں اپنے دل اور اپنی آرزو دونوں کے سوا کسی چیز کا مالک بھی نہ تھا
 میں اُس کے لیے اپنی لگا ہون پر رشک کرتا تھا، میں نسیم کے جھونکوں سے

بھی ڈرتا تھا کہ اُس تک نہ پہنچ جائیں۔ فطرت کا تمام حسن اُسکی جاودہ بھری آنکھوں کے آگے بے حقیقت اور تمام آہوان صحر کی خوبیاں اُسکی نگاہوں کے سامنے گردِ تھین۔ اُسکی محبت میرے دل میں نشوونما پاتی رہی یہاں تک کہ وہی میرا ہر وقت کا مشغلہ تھی۔ جب ہم دونوں نے ہوشِ سنجھا لا اور جوان ہوئے تو میں نے اُسکی ماں سے اُسے اپنا رفیقِ زندگی بنانے کی درخواست کی اُس کی ماں نے اپنی پیاری بیٹی کے لیے میرے ساتھ بخل نہیں کیا کیونکہ ہم دونوں کے دلوں میں جو پاک محبت تھی اُسے وہ جانتی تھی۔

لیکن افسوس! میں نے میری آرزو کو ٹھکرا دیا اور وہ بیالہ پلا دیاجوزہر سے بھی زیادہ تلخ تھا۔ اُس نے ہماری خوشیوں کے صاف مطلع کو رنج و غم کی تاریکیوں سے بدل دیا۔ میری محبوبہ یاسمین ایک دن صبح سویرے موسمِ بہار کے حسین ایام میں تفریح کو گئی ہوئی تھی کہ امیر شہر نے۔ اس بد باطن بڑے امیر نے۔ دیکھ لیا یاسمین کے شباب کی تروتازگی ظالم کو بھاگئی اور اُس کی آنکھوں کے حسن و جمال کا تیر جگر دوزا میر کے دل میں اُتر گیا۔ شام کو امیر نے اپنے ایک خالص آدمی بھیج کر یاسمین کو اُس کی ماں سے طلب کیا۔

اس غریب عورت کو حراتِ انکار نہ ہوئی، مجبوراً اُس کی اسدِ عافیت قبول کر لی دوسرے دن امیر نے حصولِ یاسمین کی تقریب میں مغل آراستہ کی۔ اُسی دن سے میری آنکھوں میں روشنی کی جگہ اندھیرا چھا گیا اور میری

زندگی پر آشوب کش کش میں پڑ گئی۔

کسطح میں اپنی آرزو کو یاسین کے پیکر محبت پر اس الفت کی دیوی پر قربان کر چکا تھا کہ یہ غارت گرد حشی آیا اور یاسین کو میرے دل سے چین کر لے گیا۔ کیا میں اسے مڑاؤں؟ یا خود مر جاؤں؟ اور اس مصیبت کی زندگی سے راحت پاؤں۔ ہاں میرا مرجانا ہی میرے لیے بہتر ہے مگر مرنے سے پہلے میرا فرض ہے کہ یاسین پر ایک آخری نگاہ ڈالوں اور اس سے سانی مانگ لوں۔

میں نے اسے ایک خط لکھا اور چاہا کہ رات کو باغ میں مجھ سے ملے کیونکہ میرے دل میں کچھ راز ہیں جنہیں میں صرف یاسین ہی پر ظاہر کرنا چاہتا ہوں۔ جب معینہ وقت قریب آگیا تو میں باغ کی طرف روانہ ہوا۔ میری بڑی آرزو تھی کہ اپنے دل کی مالکہ اپنی محبوبہ کو دیکھوں گا۔ وہاں پونچ کر دیکھا کہ نازنین یاسین ایک درخت سے لگی بیٹھی ہے اور اس کی آنکھوں کی سرخی اس کے دل کی حسرت و سوزش کا پتہ دے رہی ہے

میں اس کی طرف بڑھا اور اس کے پاس بیٹھا کہ اس کے نورانی ہاتھ کو ہوسہ بھی نہ دینے پایا تھا کہ کیا ایک امیر بونچا۔ اُسکے ساتھ تین سپاہی اور تھے گویا میں اور وہ امیر دونوں باغ میں آنے کا ایک ہی وقت مقدر کر چکے تھے۔ مجھے دیکھ کر وہ بلند آواز سے چیخا جو دور تک گونج گئی اور سپاہیوں کو میری یاسین کی گرفتاری کا حکم دیا اس لیے کہ وہ بدکار ہے وہ اپنے

چاہنے والے سے راز دنیا کی باتیں کرتی ہے

لیکن مجھے آنکھوں نے چھوڑ دیا اور ہاتھ بھی نہ لگایا۔ اس لیے کہ میں مرد
تھا اور ظالم انسانیت، اندھا قانون، صرف عورت پر حکم کرنا جانتا ہے اگر وہ
بدکاری کرے، گواہی بدکاری کا سبب مرد ہی ہو، ہاں مرد سوا اس سے کچھ نہیں بچتا
گویا عورت سے زیادہ بلند فطرت پیدا کیا گیا ہے گویا عورت کچھ سمجھنے اور
اثر لینے والا دل ہی نہیں رکھتی۔ یا شاید مرد کا مرد ہونا ہی اس کو معبود بنا دیتا ہے
کہ وہ عورت پر حکومت کرے اور اس کے ساتھ خود اختیاری سے کام لے
اُس سے اُس کی پاکبازی و پاک دامانی کو چھین لے اُس کو انتہائی ذلت و
رسوائی کی پستیوں میں پھینک دے، پھر بھی مرد سے نہ کوئی باز پرس ہو
نہ جواب طلب کیا جائے۔

افسوس ہے انسان پر انکے دل کس قدر سخت اور خودیہ کیسے ظالم ہیں !...
وہ ناتوان عورت جو رحم و کرم کی سزاوار ہے جس کے ساتھ نرمی کا بڑا کرنا
واجب ہے، جب کوئی ایسا کام کرے کہ اُس کا پاک دل اُس کی مرضی پر
چھوڑ دینا چاہیے تو لوگ اُس کو بدکار خیال کر کے قید خانوں کی تاریکیوں
میں ڈال دیتے ہیں اور خوب ذلیل کرتے ہیں۔

اور قوی مرد وہ مرد جو بے گنتی لٹا کر رہتا ہے، جو ایک دوشیزکا کے دل اُس کے
سینے سے اچک بٹاتا ہے، اُسے رسوائی و شرم کے بشر پر ڈال دیتا ہے، اُس کی عزت و حرمت

کی جاتی ہے۔ گویا یہ ناپاک افعال مرد کے اعزاز کو اور بڑھا دیتے ہیں
 اسی طرح بھائی! میری محبوبہ بھی تارکیون مین ڈال دی گئی کہ طرح
 طرح کے صدمے اور ایذا میں جھیلتی رہے۔ چند روز کے بعد اُس کی پاک
 سائین غائب ہو گئیں اور آسمان کی طرف چلی گئیں کہ اس دنیا میں جو کچھ
 ظلم و ستم اُس پر ہوے ہیں خدائے تعالیٰ کے انصاف کے آگے اُنکی داد چاہئے
 اور اُس جلالت مآب حاکم کے سامنے کھڑی ہو کر اپنے قاتل کے مقابلے
 میں جسم کی خواستگار ہو۔

کاش امیر اسی پر بس کرتا کہ اُسکے شگوندہ شباب کو پڑ مردہ کرنے کا سبب ہوا
 ہے نہین بلکہ اُس نے حکم دیا کہ وہ قبر تک برہنہ لیجائی جائے۔
 اے میرے بھائی! اسے برہنہ لیچلے اور سرکون پر لیے پھرے۔ لوگ اُس پر لعنت
 کرتے اور تھوکے جاتے تھے اور امیر کے فعل پر اُس کے شکر گزار ہو رہے تھے۔
 قبر تک۔ جنت تک۔ تنہائی تک۔ ظلمت تک۔ تاریکی تک۔ اُس کو
 لیگئے ... آہ اے میری پیاری! ...

یہ مکروہ شخص دیوانوں کی طرح قبروں کا طواف کرنے لگا وہ روحوں کو
 پکارتا تھا وہ آسمان سے آگ برسنے کا آرزو مند تھا۔ جب مجھ سے کچھ دور ہو گیا
 تو میں نے ایک آواز سنی جس میں بار بار یہ الفاظ دوہراے جاتے تھے :
 اے ظالم انسانیت۔ اور اے مذہبی قانون تو ہی میری محبوبہ کا قاتل ہے

اب میں ایک متفکر آدمی کی طرح کھڑا تھا اور میں نے اپنی نظر اس
قبر پر ڈالی جس نے اپنے پہلو میں اُس پاک دوشیزہ کا جسم دبایا تھا۔
میں نے دیکھا کہ وہ لکڑی کی صلیب ہمارے سامنے انسانی ظلم اور اندھے
قانون کی تصویر بن گئی تھی۔ اور آسمان سے اس مظلومہ کے لیے انصاف طلب
تھی مجھے جو روح جانے نہلاک کیا۔ گویا تربت مظلومہ پر لگی ہوئی یہ سیاہ لکڑی
زبانِ حال سے پکار کر کہہ رہی ہے :

ظالم ہے تو اے انسانیت اور اندھا ہے تو اے قانون !
ایک پاکباز عورت ہے جس نے نہ کبھی کوئی جرم کیا اور نہ بدکاری، مگر
قانون نے اُسے بدکار خیال کر کے نہایت بے دردی سے پامال کر ڈالا۔
اور ایک بدچلن مرد ہے جسے خطرناک جرم کیا تب بھی بشریت نے اُسکو اعزاز ہی دیا۔
ایک بے تصور نوجوان عورت ہے جس نے اپنے دل کا کہا کیا اور ایک
ہم جنس انسان کو چاہا۔ حالانکہ محبت کرنا کوئی گناہ نہیں ہے سگرز نہایت
نے اُسے زنا کی ہمت لگائی اور ایک مجرم امیر ہے جس نے ایک دوشیزہ
کو اُس کے محبوب سے چھین لیا اور چھوڑ دیا کہ وہ موت کی اذیتیں ، اور
جہائی کی مصیبتیں جھیلے تو بشریت نے یہی کہا کہ امیر کتنا سرفراز ہے ۔۔۔
اگر شیدہ بدکار بھی جیسا کہ یہ لوگ کہتے ہیں — گویا بات حقیقت سے
اُتنی ہی دور ہے جتنا آسمان زمین سے — اور اُس کا فعل برا تھا مگر اُس

کی جان لینا کون سا اچھا کام ہے ؟ ...

وہ کون سا ظالم قانون ہے جو روحوں کو سلب کرنا اچھا کام سمجھتا ہے ؟ ...
وہ کون سی وحشیانہ انسانیت ہے جو ایسے امیر کی عزت کرتی ہے اور اُسے آگ میں
نہیں جھونکتی ؟ جبکہ وہ ایک لڑکی کو برہنہ کر کے شہر کی شرمگاہ بنانے کا حکم دیتا ہے ؟ ...
”کیا ہم ایک بڑے کام کا بدترین کام سے مقابلہ کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ قانون
ہے ؟ ... اور ایک بُرائی کے مقابلے میں اُس سے بدتر بُرائی کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ
یہ ناموس اور پاس اُپر ہے ؟ ... اور ایک گناہ پر اُس سے زیادہ بُرا گناہ کر کے غالب
آئینہ کی کوشش کرتے ہیں اور ڈنکے کی چوٹ پکارتے ہیں کہ یہی انصاف ہے ؟ ...“
اے لوگو عورت پر ترس کھاؤ اور اُس پر ظلم نہ کرو !

جو قانون دردمن جبری تعلیم دیتا ہو وہ خود بُرا ہے اُس سے کچھ بھیر لو اور سختی سے
اُس کا مقابلہ کرو۔ اور جو پاس ناموس بُرائیاں اور ساد بھیلاتا ہو وہ شرمگاہ بن
اُس کو چھوڑ دو اور اُس کی مخالفت میں اپنا خون بہانے سے بھی دریغ نہ کرو
تم تمام مورکی تہ کو پونچو اور ظاہر کو دیکھ کر فریب نہ کھاؤ۔ وہ اونچی اونچی قبریں
جسکی دیواریں جنگل گاہری ہیں اور اُنکے اندر بدبو اور عذاب ہے اُنسے ہمیشہ دور رہنا !

سورج اپنے پردے میں چھپنے لگا تو یا وہ ان وحشیانہ مظالم کو دیکھتے دیکھتے
تھک گیا ہے اور نظروں سے اوجھل ہونا چاہتا ہے ، میں بھی اپنے گھر کی
طرف پلٹ پڑا مگر اس حال سے کہ آنکھوں میں آنسو تھے اور دل میں حسرتیں —

لاوارش بچہ

مجھ پر رحم کرو خدا تم پر رحم کریگا

گر بچے کے سامنے وہاں، جہاں سیکڑوں جانیں اپنے پیدا کرنے والے سے سرگوشیاں کرتی ہیں۔ اور جہاں مادرِ گیتی کے فرزندِ عالی شان عالم کون و مکان کے بنانے والے داتا کی حمد و ثناء بیان کرتے ہیں۔ میں نے ایک چھوٹے سے بچے کو دیکھا جو ایک پھٹے پرانے کپڑے میں لپٹا ہوا پڑا رو رہا ہے۔ ہلک رہا ہے۔ کچھ لوگ اس پاس کھڑے ہوئے ہمدردی کی نظروں سے اُسے دیکھ رہے ہیں۔ اور درد و اثر کا جذبہ اُن کے چہرے نمایاں جس طرح تیر سینے میں اپنا کام کر جاتا ہے، وہی اس بچے کی دردمند چنج نے میرے دل پر کیا اور مجھ میں ایک شدید تاثیر بھر دی۔

دریافتِ حال کے شوق نے مجھے اُگے ڈھکیلا، اور مین بڑھا کہ بچے کو قریب سے دیکھوں۔ میں نے دیکھا کہ وہ ہلک رہا ہے اور دیکھا کہ اُس کی گردن میں کاغذ کا ایک پرچہ بھی بندھا ہوا ہے جس پر یہ الفاظ لکھے ہیں:

مجھ پر رحم کرو، خدا تم پر رحم کریگا

میں نے اس جگہ کو پڑھا، پھر پڑھا اور اُس پر غور کرتے کرتے میں فضا
تخیل میں پونچ گیا۔ اُس بچے کی چیخ میرے سامنے ایک بیکری کی صورت
میں قربان گا ہون کے دھوین کی طرح فضا کو بھاڑتی آسمان کی طسہ
چڑھتی معلوم ہوئی۔ تاکہ اُس عدل مجسم کے سامنے کھڑی ہو کر اُن لوگوں
کے لیے طالبِ رحمت ہو جو اس پر رحم کریں... تو میں نے کہا کہ رحم کرنے والے کہاں؟
ابھی یہ جگہ پورا ابھی نہ ہوا تھا کہ میں نے دیکھا کچھ لوگ اس بچے کو اٹھا کر لیچے
مگر مجھے نہیں خبر کہ کہاں لے چلے؟

اس وقت میں نے اپنی نگاہ سے اُن کی مشالیت کی راہ کے ساتھ
ہو لیا، اور خود پلٹ آیا۔ مگر میرے سینے میں اس بکری بچے کی طرف سے غم
یاس کے جذبات لبریز تھے۔ آہ، اُس کی سنگدل مان نے، بے رحمی و بیدردی
سے چھوڑ دیا ہے کہ معصوم روتا بلکتا رہے۔

کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ یہ کون لڑکا ہے، اور اس کی مان کون ہے؟
یہ ایسا سوال ہے جس کا جواب میرے لیے دشوار ہے۔ اُس کا قصہ
جو کچھ بھی ہو، مگر میں اُس کی نسبت اتنی بات ضرور کہہ سکتا ہوں کہ:

— مرد عاقل وہی ہے جو آپ سمجھ جائے، نہ یہ کہ کوئی اور اُسے بتائے
غرض یہ بچہ یا تو کوئی مصیبت کا مارا بچہ ہے، اور اُس کی مان کوئی غریب
عورت ہے جس کی غریبی نے اپنے جگر کے ٹکڑے کو یوں راستے میں ڈال جا

پر مجبور کیا ہوا اور اُس کے پاس اتنا نہ ہو کہ اپنے بچے کی پرورش کر سکے۔
 با حرام کا بچہ ہے۔ اور اُس کی مان کوئی بد چلن عورت ہے جس پر
 خونخوار انسانی بھیڑیوں نے حملہ کیا ہوا اور اُس کا لباس عفت و عصمت چاک کر دیا
 ہو تو اُس نے اپنی بدکاری کا یہ شر شرک پر ڈال دیا ہو کہ دنیا عیث لگا سکے۔
دو نوں حالتوں میں یہ لڑکا ہے تو آدمی ہی کا بچہ! اور سوائی کا اکیت!
 اور اُس کی مان ہے تو آخر انسان ہی، چاہے وہ ناقہ کی ماری ہو یا مدغیت
 اور قانون تہذیب کی فریب خوردہ۔ تو کیا یہ انصاف نہیں ہے کہ اب انسان اور
 انسانیت ہی اُس کی داد کو پونچھے اور مدغیت ہی اُس کی فریاد کو سنے؟
 کوئی مجھے بتائے کہ پھر انسانیت کیا چیز ہے؟ کیا دوسری نطفوں میں
 تمام انسانوں کا مجموعہ نہیں ہے؟ اور مدغیت کیا ہے؟ کیا حکومت نہیں ہے؟
 اس لیے ہم سب کا، اور خاص کر حکومت کا فرض ہے کہ اس حالت زار
 کو ذرا رحم و مہردمی کی آنکھوں سے دیکھیں اور اُس سے اپنی ہمت کے آغوش میں
 لے لیں۔ کیونکہ یہ انصاف کا تقاضا نہیں کہ یہ بچہ چل کوٹوں کے لیے چھوڑ دیا جا
 اور یہ کسی طرح عدل نہیں کہ وہ سڑکوں پر پڑا مر کر رہے۔ جبکہ اُس کے مان باپ
 کا پتہ نہیں! اور خود اُس نے کوئی گناہ کیا نہیں۔

x x x

ہم۔ ہم اہل مشرق غیروں کی تقلید میں بڑے بڑے قدم مارے تھے مگر

چلے تو تھے، مگر اس انداز سے کہ اپنے وطن میں اور خرابی و تباہی آگئی، اور جس تقلید سے ملک کی ترقی و بہبود کی امید ہو سکتی تھی، اُس سے ہم نے اپنا منہ پھیر لیا۔ ہم نے اُس کو دیوار پر دے مارا۔ کاش ہم احساس حقیقت کرتے اور صرف اُن باتوں کی تقلید کی کوشش کرتے جو ہماری ترقی و فلاح کا راز ہیں اور ہر ایسی چیز سے بچتے جو ہمیں اہل تمدن کی نگاہوں میں حقارت و ذلت کا موضوع بنا رہی ہے، تب کمین ہم ایک ترقی یافتہ قوم ہو سکتے تھے اور اپنے صفحات تاریخ کو ایسے قابل فخر کا زماموں سے زینت دے سکتے تھے جو قیامت تک شائے زمیں۔

بس اب اے فرزندانِ وطن! جو بات حقیقت میں مفید ہو اُس کی طرف نگاہ توجہ پھیرو! اور جس میں وطن کی بہبودی و فلاح ہو اُس کی جانب بہت التفات مند و کرو! مذہب، شہر و ن اور ملکوں میں بیا رخانے اور یتیم خانے بے شمار ہیں۔ پھر ہمارا ملک کیوں اس قدر محتاج ہے۔ اس میں گنتی کے چند اسپتالوں اور یتیم خانوں کے سوا کچھ بھی نہیں ہے۔

غیر تو میں جانتی ہوں کہ بدترین مصیبت اس کم سن بچہ کی مصیبت ہے، وہ بچہ جو اپنی جان بھی نہیں سنبھال سکتا، اس سبب سے اُس کی زندگی خطرے سے محفوظ رکھنے کے لیے بڑی دریا دلی سے کام لیتی ہیں۔ پھر ہم کیوں اُن کے نقش قدم پر نہیں چلتے اور اپنی دولت کا ایک حقیر حصہ

قیم خانے کھانے کے لیے کیوں نہیں دیتے ؟
 وہاں حکومتیں کثرت سے ان تھیوں کے لیے بے فیس کے ، جبرۃ
 تعلیم کے ، مدرسے کھولتی ہیں ، وہ تعلیم جو دورِ آئندہ میں اُن بے کس
 بچوں کو سعی و عمل کا مردِ میدان بنا دیتی ہے ۔ پھر ہماری حکومت اس
 کارِ خیر کے لیے کمرِ ہمت کیوں نہیں باندھتی ؟

.....

اے فرزندِ انِ وطن ! یہ لاوارث بچہ ہے ۔ اگر ہم اُسے گڑھے سے
 نکالنے کی کوشش نہ کریں گے تو یہی آگے چل کر ترقیِ وطن کی راہ میں ٹھوکر
 کا پتھر ثابت ہوگا ۔ پھر مہین اُس کی ضررِ سانی سے بچنا دشوار ہو جائیگا
 لہذا سب باہم متفق ہو جاؤ اور اُس کی شکلِ آسان کرو ۔ نیز اُس کے
 بہت سے دوسرے بھائیوں کی بھی جو سڑکوں پر بھیک مانگتے پھرتے
 ہیں ۔ ” اُن پر رحم کرو خدا تم پر رحم کریگا اور تمھاری شکلِ آسان کریگا ! “

۲۴ غریب سون

وہ ایک کلی تھی، عالم بہار میں جو نسیم صبح گاہی کے پر کیف جھونکوں سے
ابھی شگفتہ بھی نہ ہونے پائی تھی کہ موت کے زہر آلود تھپیروں نے اُس کی دل کشی
و مازگی کو خاک میں ملا دیا وہ ایک تر و تازہ شاخ تھی جسے نور سحر نے ابھی تسلیم
بھی نہ ہونے دیا تھا کہ اُس پر برق ستم گری۔ اور اُس کی شادابی کو ہمیشہ کے
لیے کھلا دیا۔

* * *

شام کے وقت ہوا چلی، اور مینہ برسنے لگا، گویا آسمان مادر گیتی کے
غریب و بد نصیب فرزندوں پر آٹھ آٹھ آنسو زور رہا ہے۔ مین برآء مین ہلکے
آبیٹھا جو ایک شائع عام پر واقع تھا مین راہ گیر دن کو غور سے دیکھ رہا تھا
اور اُن پرورد منظر وں سے متاثر ہو رہا تھا جو سیری آنکھیں سوقت دیکھ رہی تھیں
یا اللہ یہ بؤخر مناظر کس قدر مین جو بے حسن ہستیوں کو رلائے بغیر اور سخت سے
سخت دلوں کو بھی ہلائے بغیر نہیں رہ سکتے۔ ان فقیروں محتاجوں کی تعداد
کس قدر زیادہ ہو گئی ہے جنکی پر غم صدائوں سے فضا بے بسیط گونج اُٹھی ہے۔
آہ جو اپنے یاس کے سوکھے ٹڑے آنسوؤں میں بھگو کر کھالیتے ہیں۔

ایک غیم بچہ ہے جس نے اپنی اس مختصر زندگی میں سو آنک سستی
و بد نصیبی کے اور کچھ نہیں دیکھا، وہ چلا جا رہا ہے اور اُس کا عضو عضو چڑبڑا۔
سردی سے ہنر تھرکانپ رہا ہے وہ بھیک مانگنے کے لیے ہاتھ پھیلاتا ہے مگر
انکاری لفظوں کے سوا کچھ نہیں پاتا جو نہ اُس سے کچھ نفع دے سکے ہیں اور نہ
اُس کے درد کو کچھ تسکین،

اور ایک لڑکی ہے جو ہمیشہ مسرتوں میں رہی اُس نے اپنا بچپن مان بابا
کے پیکر محبت پر قربان کر دیا ہے سو وہ اپنے بوڑھے مان بابا کے لیے کچھ پوری
بہم و بوجھانے کی فکر میں سرکون پر ماری ماری پھرتی ہے لیکن سوا اُن نوجوانوں
کے، کسی کو نہیں پاتی جنھوں نے غیرت کا جامہ اُتار پھینکا ہے۔ یہ نوجوان سیکے
پاس آتے ہیں اور اُس کی اُبردکار و بے پیون سے بھاؤ کرتے ہیں
لیکن آہ! جس نے میرے ساز پائے دل کو لرزش دی جس نے میری
آنکھوں سے آنسوؤں کے دریا بہا دیئے وہ ایک عورت کا نظارہ تھا بڑھاپے
کے آثار اُس کے بشرے سے نمایاں تھے، اُس کے بال اُس کے شانوں
پر پریشان تھے، وہ چلی جا رہی تھی اور کچھ اُس آواز سے جس کی ہر لے بتاتی تھی
کہ وہ سراپا رنج و الم ہے یوں کہتی جاتی تھی:

آہ اے میری پیاری بیٹی !!!

اور تو کچھ میری سمجھ میں نہیں آیا مگر میں اُس کے پیچھے بولیا جہر وہ جاتی

تھی مین بھی اُس کے پیچھے پیچھے چلا جا رہا تھا۔ گویا اُس کی نگین آواز مین
ایک کہربائی طاقت تھی جو مجھے کھینچنے لے جاتی تھی۔ آخر مین ایک چھوٹے
سے گھر کے سامنے پونج گیا جس مین دھیمی دھیمی روشنی ہو رہی ہے اور دھندلی
دھندلی شعاعیں اوٹھ اوٹھ کر گھر کی عین تاریکی پر غالب آتی ہیں اور اُس کو
روشن کر دیتی ہیں۔ اس سے ایک ایسا منظر سامنے آ جاتا ہے جو دل کو پاش
پاش کر دیتا ہے ...

ایک نوجوان لڑکی جس کا چہرہ اُداس ہے اور دُبلے دُبلے بازو یہ ایک فن
پر پڑی ہوئی ہے اُس کی حالت اُس کی غریبی و غلسی کی شاہد ہے اُس نے
اپنا سٹھ دیوار کی طرف پھیر رکھا ہے، گویا دیوار کی سنگین خلاؤن (سندون) مین
کوئی انسانی دلون سے زیادہ رحیم دل پالیا ہے تا وہ دنیاوی مظالم سے چھٹا
چاہتی ہے۔ مگر اُس نے جیسے ہی دروازہ پر آہٹ پائی اور اپنی مان کی سکین
کی آواز سنی (وہ مان جو اپنے آندون کو چھپانے کی کوشش کر رہی تھی مگر اُسکی
کوشش کے خلاف اُس کا غم نمایاں تھا) لڑکی نے اپنے سر کو جنبش دی
اور ہماری طرف رخ کیا تو اُس کی کھلائی ہوئی آنکھیں دکھائی دین جو گویا
حرامانِ بھنبی سے سرنگین ہو رہی ہیں اُس نے اپنی درد مند آواز سے کہا:
اماں! وہ کہاں ہیں؟ کیا تمہارے ساتھ آئے ہیں؟ ... کیا اُن کا
بے رحم دل پسچا، اور وہ آئے ہیں کہ مین اُن پر ایک لودھی نظر ڈال لوں؟ ...

مگر جب لڑکی نے دیکھا کہ اُس کی مہربان مان نے کوئی جواب نہیں دیا،
بلکہ خاموش ہو گئی، اور اپنی لڑکی کے لیے اُس کے ہونٹوں کو خبیث تک
نہ جوئی تو پھر اپنا سرادوھر ہی پھیر لیا اور یہ الفاظ دوہراے :

ہاے اللہ وہ کس قدر سنگدل ہیں! ہاے انسان کتنا ظالم ہے!!

اب مجھے بھی اپنے دل پر ضبط کر یہ کیا قابو نہ رہا اور میں اس غریب لڑکی پر

ہمدردی کے آنسو بہائے بغیر نہ رہ سکا اُس کی ناکام زندگی جو کچھ میری آنکھوں

نے اس رات کو دیکھی ہے اس سے زیادہ میں نہیں جانتا لیکن میرے دلی

جذبات نے نہ چاہا کہ اُس کی غمگینی و مصیبت کا سبب معلوم کیے بغیر لپٹ اُون

ناکہ شاید میں اُسے کچھ تسلی دے سکوں اور اُس کے آلام میں کچھ سکون پیدا کر سکوں

تب میں اُس کی مان کی طرف بڑھا اور ایک ہمدردانہ ہجے میں اُس سے پوچھا :

خدا کے لیے تباؤ تو یہ کیا حال ہے، کیا تم مجھے بتا سکتی ہو کہ یہ لڑکی کیوں رورہی

ہے؟ ایسا کیا صدمہ پونچھا جو اس کی یہ حالت ہو گئی جس سے نجات پانے کی

کوئی امید نہیں جب وہ تم سے باتیں کر رہی تھی میرا دل غم و غصے سے ٹکڑے

ٹکڑے ہو جاتا تھا، آخر تباؤ تو سہی وہ کون ہے جس کے آنے کا یہ لڑکی انتظار

کر رہی ہے؟ ..

وہ دوشیزہ میری باتیں سنتی رہی اور سمجھ گئی کہ یہ ضرور ایسے دل سے

نکلی ہیں جو غریبوں کے دکھ درد سے دردمند ہوتا ہے اور اُس طبیعت سے جو

غریبوں کی تکلیف سے غم گین و متاثر ہوتی ہے۔ تب اس نے اپنا سر اٹھایا، وہ سر جبے اپنی ناتوانی سے جنبش دینے کی بھی قوت نہیں رکھتی تھی۔ اور مجھے اُن آنکھوں سے دیکھا جن میں کچھ ایسے حلقے پڑے ہوئے تھے کہ دیکھا نہیں جاتا تھا۔ بھر ایسی آواز سے جس میں آنسوؤں اور سسکیوں نے ملکر اور بھی ہلکا کا در دھج دیا تھا کہنے لگی :

رحم کرو اے مہربان میرے صد ہون میں اور اضافہ نہ کرو، میرے دل میں اور آگ نہ بھڑکاؤ ایسا نہ کہ میں اپنے ظالم کو جسے دل و جان سے جا ہتی ہوں، ایک نظر بھی نہ دیکھنے پاؤں اور ابھی مر جاؤں۔ وہ نظر جو اس زندگی میں میری تمام تمنائوں کی ایک تمنا ہے، اور اس سے پہلے کہ میری روح اس شہرِ دنیا سے جدا ہو، میں اس عالم میں چلی جاؤں جہاں روحیں تسکین پاتی ہیں۔ اور لوگوں کی چیخ بچار اُن کو نہیں سنا سکتی۔

مجھے ایسی حالت میں مرنے دو کہ اس کا خیال میرے پیش نظر ہو شاید اُسے میرے حالِ زار پر ترس آجائے۔ اور وہ اپنی شیریں زبان سے محبت کی کچھ باتیں کر لے، آہ! اے میرے پیارے۔ اے میرے قاتل! تم کس قدر مہربان اور کس قدر ظالم ہو! کیا تمہارے دل کو اس غریب ہستی پر ذرا بھی رحم نہیں آتا، جس نے تم کو اپنے دل کا مالک بنا دیا اور اپنا سارا جان و مال تمہیں سونپ دیا ہے؟ کیا تمہیں وہ جذبات نہیں عطا ہوئے جو میری مصیبت سے کچھ اثر

لین، کیا تم مجھ سے نہیں کہتے تھے کہ میں تجھے ”اے سوسن“ دل سے چاہتا ہوں، میرے تمام دلی جذبات میں ہر جذبہ بے تحاشی محبت اور دیوانگی شوق کا ساز نواز ہے، کیا تم میرا اور میری ماں کا تمام مال و دولت کھینچ لینے کے بعد مجھے چھوڑے دیتے ہو، کیا تم مجھ سے اپنی تمام خواہشیں پوری اور مجھے خراب و برباد کر چکنے کے بعد تم چھوڑتے ہو اور مجھے بستر ذلت و رسوائی پر کوڑے کی طرح پھینکے دیتے ہو؟ وہ قول و قرار کیا ہوے؟ ... وہ قسم کمان گئی؟ ... آہ اے ظالم کس قدر تیرا دل سخت ہے! تو نے مجھے کیسا دھوکا دیا۔

یا اللہ انسان کے ظلموں سے تیری رحمت کی پناہ ہے، میرا جی زندگی سے سیر ہو چکا میری جان اب موت کی آرزو مند ہے!

تیری رحمت کا صدقہ اے میرے مولا تو میرا حق دلانے اور اس جو نحواً بیٹریے سے میرا بدلہ لینے میں غفلت نہ کرنا! وہ بدلے جس کا یہ ظالم اذروے انصاف سزاوار ہے۔ اے میرے پروردگار اس پر اپنے آسمان سے آگ برسا اور اس کو دنیا سے شادے کیونکہ یہی میری بیماری اور میری تباہی کا سبب ہے ... یا اللہ اپنی رحمت کے طفیل! الٰہی اپنی رحمت کے صدقے!! مگر نہیں... میں معاف کرتی ہوں اے میرے پیارے! اے میرے جانی دشمن! میرے حواس ٹھکانے نہیں، میں جو کچھ کہ رہی ہوں یہ نہیں کہنا چاہتی تھی۔ اسے سچ نہ سمجھنا۔ میں معافی چاہتی ہوں۔ مجھ پر غصہ نہ کرنا

کیونکہ میری قوتیں جواب دے چکیں ہیں اپنے آپ میں نہیں ہوں اور
نہ کوئی ٹھکانے کی بات کر سکتی .. معاف کرنا .. معاف کرنا -

یہ کہہ کر اس کی آواز رک گئی۔ اس کے بدن میں کپکپی سی محسوس ہوئی
اور بخار کی تاثیر سے اسے بے ہوشی کی گہری نیند سی آگئی۔

اس غم ناک منظر کو دیکھنا اب میرے اسکان سے باہر تھا، میں باہر
چلا آیا مگر اس دوشیزہ کا خیال سب سے آنکھوں میں سما یا ہوا تھا اور اس کی
حزین آواز میرے کانوں میں برابر گونج رہی تھی۔ اپنے کمرے میں آکر میں نے
سر میز پر رکھ دیا اور بے اختیار رونے لگا۔

میں رو یا اس لیے کہ اس نوجوان معصوم لڑکی کو اپنے وطن کی کثیر تعداد
لڑکیوں کی مثال پڑتا ہوں آہ اودہ لڑکیاں جن پر تمام آرزوؤں کا دار و مدار
اور جن کے دامن سے ترقی وطن کی امیدیں وابستہ ہیں۔

میں روتا تھا اس لیے کہ میں نے اپنی آنکھوں سے اس ذلیل حرکت مجرمانہ
کو دیکھا ہے جو لڑکیوں کو دھوکا دینے اور پھر ان کو ذلت و رسوائی کے غار میں
پھینکنے کے لیے اکثر نوجوان کرتے رہتے ہیں۔

میں روتا تھا اس لیے کہ تربیت اور درست اخلاق ہمارے ملک میں
برایر پستی و انحطاط میں ہے۔ اگر ہمارے اخلاق درست ہوتے تو ہم ہرگز کسی

نوجوان کو کسی عورت کا مال و آبرو غارت کرتے ہوئے اور بازاروں میں
فخر و مسرت کے ساتھ پھرتے ہوئے نہ دیکھتے گویا اس نے کوئی ایسا بڑا کام
ہی نہیں کیا جو شرافت و اخلاق کے منافی ہو۔ یا گویا اس دوستیزہ کی فریاد
جو آسمانوں سے اونچی چڑھ جاتی ہے۔ اس نوجوان کے قانون میں ایک
پر لطف نفع سے زیادہ اہم نہیں،

اے ملک کے مان باپو! اپنے لڑکوں کو اچھی تربیت دو۔ یہی اس
زندگی میں سب سے بہتر کام ہے جو تم کو کرنا چاہیے۔

اور اے سادہ دل لڑکیو! ان خوشخوار بھیر دیوں سے دور رہو تاکہ یہ
تم پر قابو نہ پا جائیں اور تمہارے سب سے زیادہ عزیز جوہر عفاف کو بچھین لیں۔
اور اے ملک کے نوجوان لڑکے جو کچھ تم کر رہے ہو اس کے لیے خدا سے
شرماؤ کہ ایک ناقوان ہستی کو دھوکا دینا حرام ہے۔

+ + +

دو چھوٹے بچے سبز زار و نیل خوش آواز چڑیوں نے موسم بہار کے دل بھائی والے
ترانے گائے۔ غریب سوسن، بد نصیب سوسن، ایک لکڑی کے تابوت میں رکھی گئی
پھر فقیر دے کا ندھویر ایک بیابان میں لائی گئی اور ایک وحشت ناک جنگل میں فن
کی گئی۔ آہ! سو اسکی ایک درد مند ماں اور اس نوجوان کے جو مصیبت زدہ عزیزوں
سے ہمدردی رکھتا ہے۔ اور کوئی سوسن کے خزانے کے ساتھ نہ تھا کیونکہ وہ غریب تھی
محتاج تھی، وہ سب کے مرض میں مبتلا تھی، البتہ آسمان سے شفقت و رحمت ضرور تیری تھی

ناسور

برادر م؛

میں تھیں خط لکھ رہا ہوں اور گھڑی دن ڈھلنے کی خبر دے رہی ہے۔
ہوا سڑکوں پر سب سن چل رہی ہے۔ سڑک کے بازار برف سے ڈھکے ہوئے
ہیں۔ اور آنسو میری آنکھوں میں ڈبڈبا رہے ہیں۔

میں غم لگین ہوں اے بھائی! لیکن نہیں جانتا کہ کیوں؟ ...

سڑکوں پر چلتا پھرتا ہوں دوستوں۔ بلتا جلتا ہوں باتیں کرتا ہوں،
اخبارات دیکھتا ہوں مگر غم مجھ سے جدا نہیں ہوتا، اور آنسو میری آنکھوں سے مفاقت نہیں کرتے
بیکار ہے اگر میں اس زندگی کی دشواریوں سے نجات پانے کی کوشش
کروں۔ اور فضول ہے اگر اپنے کو خوش نصیب بنانے کے لیے اپنی جان بھرت
و مصیبت میں ڈالوں۔ کیونکہ زندگی جیسا کہ لوگ کہتے ہیں۔ ایک آنسو اور ایک
خفیف تبسم ہے اور میں گمان کرتا ہوں کہ آنسو دن کا زمانہ ہوز نہیں گذرا ہے۔
بھائی! دل میں ایک دوست ہے جس کو محبت کے سوا کوئی نہیں بھر سکتا۔
یہ وہ قوت ہے جو ہمتی کو خوش ہمتی سے اور خوش نصیبی کو بد نصیبی سے
بدل سکتی ہے۔

جس یوسف گم گشتہ کی مجھے تلاش تھی اُسے بہت ڈھونڈھا مگر نہیں پایا۔

کیونکہ سیرادل ایسی چیز کا جو یا ہے جو کبھی نہیں مل سکتی۔ وہ مخلص دوست
ڈھونڈھتا ہے... اور مخلص دوست لے میرے بھائی کیا اب ہی نہیں بلکہ نایا ہے۔

تم سے جو یہ کہے کہ میرے تمام تر جذبات بھین چاہتے ہیں۔ اور میں ضرر
بھارے لیے ہوں، تو تم اُس سے کہدو کہ توجھو ما ہے۔ اگرچہ وہ بہت کچھ تم سے
اصرار کرے۔ کیونکہ آدمی کا دل گویا ایک روپے کا ٹکڑا ہے اور بال اسکے لیے تقاضا لیتا ہے۔
جب تک بھاری حسیب بھری ہوئی ہے اُس وقت تک بھارے دوست
بھی بہت ہیں!... اور جو بھاری بھیمی سے حسیب خالی ہو گئی تو اُس وقت تم تنہا
رہ جاؤ گے نہ کوئی بھارا دوست ہو گا نہ کوئی چاہنے والا نہ کوئی تسکین دینے والا اور نہ کوئی بوس

پہلے تو تم اپنے کاروبار میں مصروف ہونے کا وقت بھی
کافی نہیں پانے تھے کیونکہ لگاتار آنے والے دوستوں کی ملاقات
بھارا ہر وقت کا مشغلہ تھا، مگر اب تم تنہا ہو۔ اگر تم نے ان دوستوں میں سے
کسی کو دیکھ کر خود سلام بھی کیا تو وہ دوست سلام کا جواب دینے کی تکلیف گوارا نہ کرے گا...
آہ! اے بھائی کاش تم جانتے کہ کس قدر ذلیل ہے وہ شخص جو محض سیر
مال و دولت کی وجہ سے سیری محبت کا دم بھرتا ہے۔ یا کسی اور اثر سے مرعوب
ہو کر مجھ سے ملتا ہے وہ یقینی سیراحت دشمن ہے

میرے لیے جنگلوں میں رہنا کھیر پٹوں اور چیتوں میں سیر کرنا، لوہیرون اور گیدڑوں میں
زندگی گزارنا، سانپوں اور بچھوون میں عمر کاٹنا اس سے بہتر ہے کہ انسانوں میں رہنا۔

دہان میں اپنے دوست دشمن کو پہچان لوں گا، وہاں یہ تیز کر سکون گا کہ
 کون مجھ سے محبت اور کون نفرت رکھتا ہے اور یہاں میں یہ کچھ نہیں سمجھ سکتا۔
 سب کے سب میرے دوست ہیں، سب کے سب مجھے مانتے ہیں، مگر
 جب آسمان میرے خلاف ہو گیا، اور میں کسی مصیبت میں پھنس گیا تو پھر
 سب کے سب الگ ہیں کیونکہ اُن کا آقا مجھ سے بیزار ہے۔

اے بھائی یہ دنیا تم تن سب سے راز ہے انسان اُسے بالکل نہیں جانتا
 گو لوگ کہیں اور آواز بلند کہیں، اور جو تم سے کہے کہ میں نے زندگی کے اسرار
 میں نے کوئی راز پایا ہے تو اُس پر تم ہنسنا اور یہ کہو کہ تم جاہل ہو تم کچھ بھی نہیں جانتے،
 کیونکہ تم مٹی سے پیدا کیے گئے ہو، بھلا خاکی مخلوق بھی روحانی اسرار کا ادراک
 کر سکتی ہے؟ ...

ہر شخص اپنی نیے کا گیت گاتا ہے، ہر شخص اپنے ہی ساز پر بک کو رہن مضرب بناتا ہے۔
 جب زمانہ ضعیف سے تبسم کے ساتھ اُس کے لیے مسکرا دیتا ہے تو وہ آواز
 بلند بجا کر کہتا ہے کہ زندگی کتنی خوشگوار و شیرین چیز ہے !!! اور جب زمانہ
 اپنے کان نہ ہون سے اُس کو گرا دیتا ہے تو وہ خدا سے مدد مانگتا ہے اور کہتا
 ہے کہ خدا تیری پناہ، یہ دنیا تو آلام و مصائب سے بھری ہوئی ہے !

راہ میں سو اس سے پہلے کہ تم کو یہ چند کلمے لکھوں، میں نے اس دنیا پر
 ایک اجمالی نظر ڈال لی ہے۔ مجھ کو تو یہ ہی معلوم ہوا کہ روئے زمین پر خوش نصیبی

کا وجود نہیں۔ اور جو کچھ بھی انسان کرتا ہے وہ ہماری ہی مصیبت و تباہی پر دلالت کرتا ہے۔

میرے عزیز! کیا تمہیں وہ دن یاد نہیں ہے جب تم مدرسہ میں تھے اور اپنے دل کی گہرائیوں سے بھوٹ بھوٹ کر رو رہے تھے تو میں نے تمہارے پاس آکر پوچھا تھا کہ تمہارے رونے کا کیا سبب ہے؟ یہ سب تمہارا رونا محض ایک دوشیزہ کے ذوقِ مین تھا جسے تم دل و جان سے چاہتے تھے تو تم نے میرے سوال کا یہ جواب دیا تھا کہ :

اُف زندگی کس قدر بد مزہ اور موت کتنی شیرین ہے !؟

کیا تمہیں وہ دن یاد نہیں، جس دن ہم تم دونوں سیر کرتے ہوئے گورخربان کی طرف نکل گئے تھے اور ہم نے ایک عورت (زان) کو دیکھا کہ اپنے اگلے بیٹے کے لیے رو رہی ہے۔ اور اپنے آنسوؤں سے خاکِ لحد کو تر کر رہی ہے۔ تو ہم نے بھی آنسو بہانے میں اُس کی شرکت کی تھی اور تم نے مجھ سے کہا تھا کہ : میرے دوست! آخر ہم کیوں غم نصیب بنیں؟

کیا تمہیں اپنے مدرسے سے نکلنے کا وقت یاد نہیں کہ کیونکر ہم تم زمانے کو بڑا بھلا کہتے اور گالیان دیتے تھے کیونکہ اُس نے ہم تم میں جدائی ڈالی تھی؟

کیا تمہیں اے میرے عزیز دوست! کچھ یاد نہیں! پاکر و پاکر کیسے پیارے خواب یاد کرو!!

میں بیان تک پہنچا تھا کہ دروازہ کھٹکھٹایا گیا اور چٹھی رساں نے داخل

ہو کر مجھے ایک خط دیا جس کے چاروں طرف سیاہ خط کھینچے ہوئے تھے۔ جب میں نے اُس کو چاک کیا تو میرا دُعا آن رو آن کا اپنے لگا، اور قلم میرے ہاتھ سے چھوٹ کر گر پڑا۔ اس خط میں ایک ایسے شخص کے مرنے کی مجھے خبر دی گئی تھی جسے میں اپنی زندگی میں نہایت عزیز رکھتا تھا۔ مجھے میرے ایک دوست کی خبر مرگ دی گئی تھی... جو کچھ اُس میں لکھا تھا تم بھی پڑھ لو:

”پیارے ندرہ!

”آنسو میری دُعا کی سیاہی میں گھل رہے ہیں... میں تمہیں ایسے عزیز دوست کے مرنے کی اطلاع دے رہا ہوں جس سے تم دلی محبت رکھتے تھے۔ یہ فاضل نوجوان ابھی عالم شباب ہی میں تھا

”اُس نے اچانک وفات پائی جبکہ وہ اپنی بیوہ ماں کو خط لکھ رہا تھا اور خط میں رنج و فراق کا شکوہ کر رہا تھا میرے پیارے دوست تم بھی تعزیت کرو“

x ہر x

اے میرے بھائی! جیسے ہی میں نے یہ خط پڑھا۔ اور پھر اپنے دل کی حالت پر غور کیا تو میں اپنے نگھنے کی میز پر گر پڑا اور بہت رو دیا۔

میں مرحوم کی جان عزیز کے لیے نہیں رو دیا۔ کیونکہ مجھے یقین ہے کہ وہ اس دنیا کے شریر سے جدا ہونے کے بعد بہت سُرور ہے۔

میں اپنے دوست کی ذات کے لیے نہیں رویا۔ کیونکہ وہ ہمیشہ اب دوسری دنیا میں باہر اور مہلکی جہان نہ دھوکا ہے نہ خود غرضی۔ بلکہ میں روتا ہوں اپنی اور اس بڑھ کی بد نصیبی پر جو اس نوجوان کو اس نظر سے دیکھتی تھی جس سے کوئی صنم پرست اپنے دیوتا کو دیکھتا ہے۔ جیسے مفلس اپنے پیسے کو دیکھتا ہے۔ آہ! میرے پیارے اگر کوئی انسان اس وقت میرے نفس کی گہرائیوں میں اتر سکتا اور میرے دلی جذبات و حیات کی کیا وی تحلیل ممکن ہوتی تو وہ اناٹول فرینچ (Anatole France) کے اس مقولے کی پوری حقیقت معلوم کر سکتا کہ: ”نفس ہی سرچشمہ آلا ہے“

اس زبردست فلسفی نے جو کچھ کہا اس کی تائید فریڈ اس شخص کے جواب میں جو تلاش کامیابی میں سرگردان تھا یہ کہہ کر کرتا ہے: اے شخص کامیابی ایک ایسا لفظ ہے جسے تو نہیں پڑھ سکتا۔ کیونکہ اب تک یہ لفظ دنیا کی کسی زبان کے لوت میں نہیں لکھا گیا، لہذا تو ایسی چیز کے پڑھنے کی زحمت نہ اٹھا جو اب تک لکھا ہی نہیں گیا ہے۔

x
x x

بھائی! تاریکی بہت بڑھ گئی ہے۔ اور مجھے اب یہ بھی نظر نہیں آتا کہ میں نے لکھا کیا ہے۔ مگر چون نے اپنی گھنٹیاں بجائیں، وہ اپنے فرزندوں کو نماز کے لیے بجاتی ہیں۔ میرے خیالات میں اب درہمی پیدا ہو گئی ہے۔ میں بھی اٹھ کر

اپنے کرے کی طرف جا رہا ہوں، وہاں ایسی نماز پڑھوں گا جو کسی بشر نے کبھی
نہ پڑھی ہوگی

میں اُن غریب و بد نصیب فرزندِ انسانیت کی حالتِ زار
پر رونا کا جو اپنے زخموں سے دردِ منہ اٹھ کر رہے ہیں
میں اپنے بدن کو ذرا راحت دے گا بشرطے کہ سونے میں کچھ آرام
بھی ملے جیسا کہ لوگ کہتے ہیں۔ اُس ہولناک معرکے سے جس کی آگ میرے
جسم اور میرے نفس میں خوب بھڑکی ہوئی ہے۔

میرے بھائی میرا یہ عذر قبول کرو۔ اور مجھے تم سے امید ہے کہ یہ جو کچھ
میں نے تمہیں لکھا ہے اسے سچائی پر محمول کرو گے۔ کیونکہ یہ ”ناسور“ میں نے
اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے اور اپنی اُنکھی اُس پر رکھی ہے۔
اب جیسے تمہیں یقین آئے یا نہ آئے۔ والسلام

۳۹ وردہ ناسک

..... ❦ ❦ ❦ ❦ ❦ ❦

تو کس قدر حسین ہے اے صبح اور تم کتنی دل کشا ہوا ہے چھوٹی سی
نہر پر جھکی ہوئی افسردہ کلیو، تم میرے سامنے وہ منظر پیش کرتی ہو جو میرے
سینے میں بچ و غم کے حرفوں سے بنایا گیا ہے! اگر میں اُسے بھوتا ہوں تو تم
بھرنے مجھے یاد دلادیتی ہو۔ اس طرح وہ تصویر غم عبرت و یادگار کے لیے عیشہ
پیش نظر رہتی ہے۔

x x x

اس سے پہلے کہ چڑیا ان اپنے آشیانوں سے نکلین اور اس سے پہلے
کہ چرواہے اپنے خواب راحت سے بیدار ہو کر جانوروں کو کسی سرسبز چراگا
کی طرف لے جائیں، مین جنگل میں تھا۔ مین فطرت کی دعوت خاموش کو
لبتیک کہہ کر پونج چکا تھا اور شاد بلوط کے سایے میں بیٹھا ہوا تھا۔

اُس سنان بیابان میں جسے بہت ہی کم لوگوں کے قدموں نے
پامال کیا تھا۔ کیونکہ وہ شہر سے بہت دور ہے۔ مین پھر سے عالم خیال میں
خلوت آرا تھا۔ اور جو آلام مجھے پونچے تھے اُن کی شکایت کر رہا تھا اور
ان دنوں جس بُری حالت کو مجھ پونچ گئے ہیں اُس کو چپکے چپکے کہہ رہا تھا
کہ نسیم سحر کے جنھوں سے میری پریشانی میں کچھ کمی ہو گئی اور میرے دل کو جو غم و الم

پاش پاش کیے دیتے تھے، کلیون کی بھینی بھینی خوشبو نے اُن میں کچھ سکون سا پیدا کر دیا۔

اُسی پرانے شاہ بلوط کے قریب جس پر جنگلی جڑیاں پناہ لیتی تھیں او جس کی شاخوں پر بسیرالینے کو اُٹھانے بناتی تھیں، مین نے ایک چھوٹی سی جھونپڑی دیکھی جو سپیدار و چنار کی شاخوں سے بنی ہوئی تھی۔ اور ایک غم گین آواز سنی جو وہاں سے نکل کر ایتھر کے ذرات میں مل جاتی ہے مین اُٹھ کر اُس طرف گیا تو دیکھا کہ ایک عورت ہے جس کے بالوں سے آثار پیری نمایاں ہیں۔ وہ سبز گھاس پر بیٹھی ہوئی ہے، اور ایک میلے سے پتھر پر سر رکھے ہے۔ وہ آنکھوں سے آنسو بہاتی اور زبان سے پروردگیت گاتی جاتی ہے مجھے اس نے اپنی جھونپڑی کے دروازے پر کھڑا دیکھ کر کچھ ایسی دلدور نگاہ سے دیکھا جو تیر سے زیادہ تیز تھی۔ اور جھٹ اپنے پاکیزہ فرش سے اُٹھ کر کچھ اس آواز سے جس کے ہر ہر خرد میں رنج و غم کا ایک مدوجزر پہنا تھا، مجھ سے بولی :

تم کوئی بھی ہو۔ امیر ہو یا غریب، دولت مند ہو یا فقیر۔ مگر یہ کیا کم ہے کہ ایک انسان ہو۔ میں تمہیں محبت کے نام کی قسم دیتی ہوں کہ ان پاک مقامات سے چلے جاؤ اور اپنے قدموں سے ان کو ناپاک نہ کرو۔

مین دنیا سے بھاگی تھی کہ کسی آدمی کو نہ دیکھوں تو کیا اب تم اس لیے آئے ہو کہ مجھے سیراگذا را مواز! نہ یاد دلاؤ ؟ ..

میں تجھے ہر ایسی پیاری چیز کی قسم دیتی ہوں جسے تو اسے انسان
 جان سے زیادہ عزیز رکھتا ہے اور ان لطیف چیزوں کا واسطہ دیتی ہوں جو
 مشرق سے طلوع ہونے والے سورج کا خیر مقدم اپنے معصومانہ چہرہ
 اور لطیف نعنون سے کرتی ہیں۔ اگر تم اُن لوگوں میں سے ہو جو فطرت گویا
 کی بولی نہ سمجھتے، اور چیزوں کی زبانی سمجھ لیتے ہیں تو بہتر ہے کہ مجھے سیری
 حالت پر چھوڑ دو اور انسانوں کی آواز، ان خوشخوار بھیرپوں، ان زہریلے
 بھجڑوں کی آواز، سننے سے بچاؤ، کیونکہ ان کی آوازوں میں پھر پان ہیں جو
 میرے دل کے ٹکڑے ٹکڑے کیے دیتی ہیں۔

آہ! اگر ان سب کو مار ڈالنا اور صفحہ ہستی سے حروف غلط کی طرح مٹا دینا
 میرے امکان میں ہوتا تو میں ہرگز تاخیر نہ کرتی۔ بس اب خدا کے لیے
 میرے پاس سے دور ہو جاؤ! یہاں سے چلے جاؤ!

لیکن جب میں نے اُس سے گفتگو کی، جب میں نے اُس پر یہ بظاہر کیا کہ
 اگر میں خود شہر کے شور و غل سے بیزار نہ ہوتا اور انسانی بھجڑوں سے نفرت نہ رکھتا
 تو کیوں اتنے سویرے فرشتہ ہوا کی طرح اس جنگل میں آتا کہ فطرت خاموش کی
 باتیں سنوں اور اُن سے سبق لوں۔ تب اس عورت نے مجھ سے کہا کہ اچھا آؤ
 میں تمہیں ایسا سبق دوں جو کبھی کسی آدمی نے نہ لیا ہوگا، وہ سبق میں نے
آنسوؤں سے لیا ہے۔

ہم بیٹھ گئے۔ ناسکھ نے اپنے آنسو پونچھے جو اس کے رخساروں پر برسے
 تھے اور یوں کہنے لگی :

میں چودہ سال کی عمر میں تھی، خواب زرین کے زمانہ میں، کہ تقدیر
 نے مجھے ایک امیر کے گھر میں پونچھا دیا یہ اس قسم کے دولت مندوں میں سے
 تھا جو رات دن مال و دولت جمع کرنے کی فکر میں رہتے ہیں اور اگر خرچ بھی
 کرتے ہیں تو محض اپنی کینہ نفسانی خواہشوں کی راہ میں، لیکن غریبوں اور
 محتاجوں کو دینے میں نہایت بخل سے کام لیتے ہیں۔

مجھے اس قسم کے جانوروں میں سے ایک کے حوالے کر دیا گیا اپنا پیٹ
 بھرنے کے سوا اور کچھ نہیں جانتے اور اپنی خواہشیں پوری کرنے کے سوا کوئی
 بات ضروری نہیں سمجھتے۔ چنانچہ اُس نے میری طرف رغبت ظاہر کی اور میں
 اُس کی بیوی بنا دی گئی۔

اس نئے دور زندگی میں جو سرتون اور شادمانیوں سے بھرا ہوا تھا
 جو تخیلات شعری سے پُر تھا، ایک وقت میں نے خیال کیا کہ ریشمی لباس
 اور سونے کی ناگوٹھی ہی شاید خوش نصیبی ہے جو میرے مان باب نے میری
 گردن میں لپے کے خوق ڈال دیے اور مجھ کو ایسے مرد کے حوالے کر دیا ہے
 جس سے نہ میں محبت رکھتی ہوں اور نہ میرے دلی جذبات کا اُس کی طرف
 کچھ رجحان ہے، نیز باب میرے لیے محبت آمیز قسم سے ہنستا اور خوش ہوتا رہا مگر

اس نے ایک اسیر بچ و محن کی فریاد پر کان نہ دھرے جو پکار پکار کر کہتی تھی:
 ”مجھے شراب محبت پلاؤ، وہی شراب جو میری (تنگی بچانے والی)
 شراب ہے، میں پیاسی ہوں“

بھائی! یہ سب کچھ ان لوگوں نے کیا، محض اس لیے کہ میرا شوہر ایک
 دولت مند آدمی تھا اور یہ انسانی عادت ہے کہ اس جھوٹی دنیا میں وقت مندوں
 کی پرستش کی جاتی ہے

انھوں نے میرے اس ننھے سے دل پر ذرا ترس نہ کھایا جس میں سیکڑوں
 آرزوئیں اور جذبات نشوونما پارہے تھے۔

انھوں نے یہ نہ سمجھا کہ سوئی ہوئی مہتی اگر خواب ناز سے بیدار ہوئی اور
 اس نے اپنا پامال ستم مونا محسوس کیا تو وہ اپنے آپ کو ہلاک کر ڈالے گی یا
 آزاد ہی ہو کر رہے گی۔ بلکہ وہ مجھے اُس رئیسِ دولت مند کی حریر و دیبا کی
 خواب گاہ تک کھینچ کر لے گئے۔ اور میرے دل کی چیخ سننے سے انھوں نے
 اپنے کان ہرے کر لیے۔

میں بیکار آنسو بہاتی رہی میرے سامنے گانون کا کاہن (لام) تھا
 آہ! وہ ”سنگ دل ملا“، جب میں بیدار ہوئی اور مجھے معلوم ہوا کہ عورت
 کی زندگی محبت سے ہے، مال اور ریاست سے نہیں ہے۔ اور میں نے دیکھا
 کہ میرے بازو پھڑپھڑاتے ہیں، اور مجھے لیکر آسمان حریت و محبت کی طرف اڑتے

چاہتے ہیں مگر وہ کانپنے لگتے ہیں اور اپنی کمزوری و بے کسی کی وجہ سے ان بھاری بھاری بیڑیوں کے قریب ہی مجھے گرا دیتے ہیں جن میں اب میں گرفتار ہوں، میں بیکار اس ملا کو مالک زمین و آسمان کی قسم دیتی تھی کہ میرے اس بیاہ کا رشتہ توڑ دے۔

”اللہ نے جس کا جوڑا ملا دیا اُس کو انسان جدا نہیں کر سکتا“ یہ وہ فقرہ تھا جو مجھ سے ملا جواب میں کہتا تھا اور مجھے بار بار سنا تھا۔

الفاظ بھی اچھے اور عبارت بھی سلیس ہے۔ یہ ادبی موتی مولوی صاحبان نے شرکی لڑیوں میں پروئے ہیں؛ مگر خدا تیری پناہ اس شریر دنیا میں کتنے ایسے بے ہودہ رشتے ہیں، ہم اللہ سے پناہ مانگتے ہیں اور اُس کے انصاف سے کہ میرے رشتے کی طرح ایسے رشتے اُسی نے قائم کیے ہوں؟

کتنی بار مولوی صاحب کا ہاتھ اُن دونوں کے سروں پر برکت کا تاج رکھنے کے لیے اٹھا جو باہم مانوس نہیں ہوئے تھے مگر وہ لعنت ہو کر پلٹ پڑا۔

اس رشتہ کو متبرک اور مقدس بنانے کے لیے مولوی صاحب کا صبر ایسی دعا پڑھنا کافی نہیں جو ہر انسان پڑھ سکتا ہے۔ بلکہ سینہ دل کی گہرائیوں

میں ایک دعا ہے جو محبت پڑھتی ہے۔ وہی اس رشتہ کو مقدس و برکت بنا سکتی ہے

کاش میں سمجھ سکتی کہ وہ کیا خوش نصیبی ہے جس کی ایسے مرد و عورت کے باہمی تعلقات سے امید کی جاتی ہے جن کے دلوں میں نہ فلک نے شعلہ محبت

بھڑکایا ہے نہ خود ان کی آنکھوں نے اُس آتش مقدس کے پاک و نورانی
شعلوں کی زبان کو سمجھا

وہ مبارک باد کیا جو ایک مرد کو ایسی عورت کے ملنے پر دی جائے
جو نہ اُسے چاہتی ہو نہ اُس سے دل چسپی رکھتی ہو ؟

آہ ! اگر اس دنیا میں عدل و انصاف ہوتا تو یقیناً ایسے ملاؤں کے ہاتھ
کھاٹ ڈالے جاتے جو برکت کا تاج ایسی لڑکی کے سر پر رکھنے کے لیے اٹھتے
ہیں جو ہنوز خواب طفلی سے بیدار نہیں ہوئی ہے۔

بے شک ایسا رشتہ ازدواج توڑ دیا جاتا جس کی بنیاد دعا و فریب پر ہے۔
اور ضرور عورت کو اپنے لیے انتخاب شوہر کی ذمہ داری آزاد دینی جاتی
جو آج مرد کو حاصل ہے۔

لیکن اے بھائی ! میں ہوش سنبھالنے کے بعد اس عقد کی بھلائی
نہائی کو خوب جان لینے کے بعد بھی پیمان و فانا بنا ہتی رہی اور میں نے بعد میں
میں نے اپنی ہم نام ”وردہ بانی“ کی طرح نہیں کیا بلکہ پورے صبر سے کام لیا
اور آٹھ ہا ہا کر اپنے دل کو تسلی دیتی رہی جو اس حالت میں مجھ کو
دیکھتا تھا۔ مجھ پر ہنستا تھا۔ اور یہ دل گداز جملہ بار بار دوہراتا تھا :

”عورت کا ہتھیار اُس کے آئینہ ہیں“

صاف کرنا خدا یا ! یہ مخلوق جس کو تو نے اپنے لہکے سے بنایا ہے جس میں

تو نے اپنی روح بھونکی ہے، طرح طرح کی ذلت و رسوائی اس کو دی جاتی ہے، وہ اس مرد سے اندائیں جھبیلی ہے، جو اس کا آقا و سراج ہونے کا مدعی ہے۔ کیا تو نے اپنی کتاب میں مرد کو مخاطب کر کے یہ نہیں کہا کہ: عورت کو اپنی جان کی طرح عزیز رکھ ۹۔ کیا تو ہی وہ ذات نہیں جس نے ہم دونوں کو مساوی و برابر درجے کا بنایا پھر اب تو کیوں کر یہ جائز رکھتا ہے کہ میں تمام عمر مصیبت و بے نصیبی میں کاٹوں ۹!

یار بے شک تیرے احکام میں گہرے راز ہیں، بے شک انسان کی عقل اُن کے ادراک سے قاصر ہے! ..

”وردہ“ اس نے یہ کلمات نہایت پرورد آواز سے لکھ کر اپنے دونوں کانپتے ہوئے ہاتھ اوپر کو اٹھائے، گویا عالم غیب میں کوئی چیز ہے جسے وہ پکڑنا چاہتی ہے۔ پھر وردہ نے میری طرف دیکھا۔ اُس کی دونوں آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں، اور اُس کا چہرہ بہت ڈراؤنا ہو گیا تھا، وہ رو کر یوں کہنے لگی:

کاش اے بھائی! زمانہ مجھے یہ زہر کا پیالہ ایک ہی وقت پلا دینے پر بس کرتا، نہیں بلکہ اس نے ایسے ایسے کئی جام پلائے، چنانچہ ایک روز میں آتش دان کے پاس بیٹھی ہوئی شام کے اخبارات کا مطالعہ کر رہی تھی کہ شاید میرے مصائب میں اس سے کچھ کمی ہو کہ اتنے میں میری نظر اس

تار برقی پر پڑی:

”بنک میں افسوس ناک ابتری اور روپیہ کی قلت ہو گئی ہے بہت

دولت مندوں نے خودکشی کرنی، حالت نہایت خطرناک ہے“

میرے بچہ والہ کی آگ اور بھڑک اٹھی، میرے آلام نے میرے تازہ ہو گئے، اور میری جان ہی نکل گئی۔
کیونکہ میرا شوہر بھی بنک میں کاروبار کرتا تھا اور غالباً اُس کا بھی کُل مال غارت ہوا۔ اب اُس کی گرہ میں ہمارے پیٹ بھرنے تک کو نہ بچا ہو گا۔ پھر اب میں کیونکر ان زخموں سے نجات پاسکتی ہوں؟

میرے مولا! مجھے نیک ہدایت دے۔ میرا دل ان مصائب سے کمزور اور
بودا ہو گیا ہے، اور اب مجھ میں صدے اٹھانے کی طاقت نہیں رہی ہے، کیا
میری بد قسمتی میرے لیے کافی نہ تھی کہ اب تو نے مجھے غریبی و محتاجی کی بلا میں
بھی ڈال دیا؟

میں اپنے شوہر سے کیون کر ملوں گی بلکہ اب وہ آئین گے بھی تو ان کو
دیکھنے کی کیونکر حرات کر سکوں گی... میرے آقا مجھے راہ بتا!

اپنے کاروبار سے فراغت پا کر آنے کا جو وقت تھا وہ بھی گزر گیا اور اے
بھائی! وہ اب تک نہیں آئے تھے اس سے میرے خیالات میں اور ہیجان پیدا
ہو گیا اور میرا دل نہایت فکر و تردد میں تھا

یا اللہ آخر اُن کو ایسا کیا صدہ پونچھا، کیا انھوں نے بھی خودکشی کر لی؟
یا کوئی اور آفت نازل ہوئی؟... لیکن میرے ان خیالات اور حیرت کو زباں پر نہ

نگذری تھی کہ اتنے مین مین نے سنا کہ وہ زور زور سے دروازہ کھٹکھٹا رہا
ہیں۔ وہ بڑبڑاتے اور عورتوں کو برا بھلا کہتے جاتے ہیں، اور شراب کی تیز بو
دروازے کی درازوں سے اور رہی ہے۔ مین نے اپنے جی مین کہا کہ یا اللہ! ہنر
کرنا، یہ کون پاچی روح ہے، کیا یہ مجھے اس وجہ سے لعنت و ملامت کر رہے
ہیں کہ مین پورے صبر کے ساتھ اُن کی جھڑکیاں اور سختیاں اُٹھاتی ہوں۔
پھر مجھے اُٹھ کر مین نے اُن کے غصے کے ڈر سے دروازہ کھولا
مگر اس سے پہلے کہ مین اُن سے کچھ کہوں کیا کر انھوں نے میرے
منہ پر ایک طنز بچھا دیا اور کہنے لگے :

کل سویرے تو میری بچا بچا جا! وہاں گھاس کے گٹھے اُٹھانا، مزدوری کرنا
اور جو کچھ مین نے تیرے لیے صرف کیا ہے وہ روپیہ کیا کر بھینجا۔ اس کے بعد تو
آزاد ہے تجھے عطا ہے، کیونکہ تو میرے لیے منحوس ہے؛ مجھ کو اتنا نقصان ہوا
کہ اپنا تمام روپیہ کچھ بیٹھا، محض اس سبب سے کہ تو میرے گھر مین ہے
مین نے اپنی زبان سے کچھ نہ کہا بلکہ اُن آنسوؤں سے جواب دیا جو
میری آنکھوں سے بہہ رہے تھے۔ اور مین جا رہی تھی کہ کاش، جو پستول وہ تھ
مین لیے ہو ہے، اُن اس سے ابھی میرا کام تمام کر دین اور مجھے اس زندگی
سے نجات دین۔

دوسرے دن اُٹھ بچے صبح کو وہ جہاز جس پر مین سوار تھی دریائی سفر کو

بہرِ رحمت طے کرتا، ہمدرد کے غم (دگرانی) کو حیرتا بھڑاتا، امریکا کی طرف نوائے
 بھرتا چلا جاتا تھا، گویا وہ ایک دل بہلا عاشق ہے جسے اُس کی محبوبہ کا شوق
 زیارت اڑائے لیے جاتا ہے۔

مجھے اپنے عزیزوں، اور گھروالوں کو، اپنے وطن، اور وطن کے صنایع
 شفاف آسمان کو چھوڑنا پڑا، اور میں جو روستہ سے بھاگ کر بلا وحریست اور
 آزاد شہروں میں پہنچ گئی۔

میں اپنی خوش نوا چڑیوں سے، اپنی خوش نما کلیں سے، جدا ہو گئی جو
 میرے آئندہ دن میں شرکت کیا کرتی تھیں، آہ میں کلبس کی سرزمین میں
 ہجرت کر گئی کہ شاید ان دور دراز ملکوں میں آزادی کی بوباس پاسکون
 اور اُن حکمرانوں سے نجات حاصل کر سکوں جو میرے کاندھوں کو اپنے
 بوجھ سے توڑتے دیتے ہیں۔ میں جب کسی چرایا کو غیر محدود فضا میں اڑتے
 ہوئے دیکھتی تھی تو مجھے اس نعمت پر رشک آتا تھا جس سے یہ چڑیا بے زنجیر
 ہو رہی تھی۔ اور اپنی جنس کی اڑکیوں پر آئندہ ہاتھی بھٹی جن کے پاؤں پہنوں
 بھاری بھاری بیڑوں کی قید میں ہیں۔

اس سطح زمین پر اے میرے بھائی، جس قدر بھی غیر قابلِ جان فوری ہیں
 سب آزادی کی زندگی بسر کرتے ہیں، لیکن انسان نے اس آسمانی بخشش سے
 اپنے کو محروم کر لیا ہے اور اپنی خدائی دیوانوں کے لیے دنیاوی دوسری قانون

وضع کر لیے ہیں۔

انھوں نے حقیقت کو دیکھا مگر بلند آواز سے کہہ کر اپنی آنکھوں پر دھم کے پردے ڈال لیے: یکسی گہری تاریکی ہے؟... وہ حقیقت سے ہم دوس ہوئے ہی کو تھے کہ پر جوش آواز میں یہ چلا کر دور ہٹ گئے: اے محبوبِ سلیمان تو کہاں ہے؟

اگر کوئی شخص ان ظالمانہ انسانی قوانین کی جکڑ بند یوں سے آزاد کرنے کھڑا بھی ہوا تو یہ کہنے لگے کہ: ”کافر سکر ہے اور پتھار ارب کافروں کو دوست نہیں رکھتا؟ اور جب کوئی ان سے اس خیال سے الگ ہو گیا کہ اس کا ضمیر ان کے اولہامِ باطلہ کے آگے تسلیم جھکانے سے انکار کرتا تھا تو سب نے اس غریب پر سرکشی کا الزام لگایا، اور پکار پکار کر یہ حکم لگانے لگے کہ: یہ دیوانہ ہے اسے پکڑ کر باگل خانے میں لے چلو۔

یہ حالت ہے اس مریضِ مشرق کی جو اپنے تنزل کی بیماری سے کراہ رہا، اور رنجِ بستی کا شکوہ سنج ہے۔

کیا تم مناسب سمجھتے ہو کہ ہم ہمیشہ کے لیے ان قوانینِ فاسدہ کے غلام بنے رہیں؟... کیا ہم اپنے دلی جذبات کو خاک میں دفن کرتے رہیں اور انھیں عرشِ فلک پر پونچانے کی کبھی جرأت نہ کریں؟...

اسے آزاد و تہمین اپنی روشنی سے کب منور کرے گی کہ ہم حق و صداقت

کو دیکھنے لگیں ؟... ہماری آنکھوں سے ! اطل پرستی اور وہی عقائد کا پردہ کب
اٹھائے گی کہ ہم راہ راست پر آجائیں ؟... ہماری نگاہوں کو سورج کی طرف
کب پھرے گی کہ ہم خاک زمین سے ذرا بلند ہو سکیں گے ؟...

یہ خیالات تھے جو دیر تک میری زبان پر جاری رہے اے بھائی !
میں جہاز کی سطح پر منہ ڈالے پڑی ہوئی ، بخار کی گرمی سے کراہ رہی تھی ، اور
امریکہ کے مسافروں کی سختیاں میری رفیق سفر تھیں ، جب اس بکواس کی آواز
اچھرے کی توجہات میں مل کر ان لفظوں کو دہراتی تھی اور میرے بعض پڑوسیوں
کے کانوں تک پہنچتی تھی تو دودھ پر ہنستے ، میرے منہ پر تھوکتے تھے ، اور ایفاظ
دوہراتے تھے :

”یہ دیوانی ہے اللہ کی شان میں کفر کے کلمے کہتی ہے“

ہم برشیلیا تک پہنچ گئے مگر ہنوز مرشیلیا کی ایک خوش نانیالی
میں رہے جو قوتِ داہم نے میرے سامنے کھڑی کر دی تھی ، اور میں کچھ نہیں
جانتی تھی ، میرے جو ہم وطن ان مالک میں رہتے تھے اُن میں کا ایک شخص
میرے پاس آیا ، یہ ایک دلال تھا اور مجھے ایک گاڑی کے پاس لے گیا جو بندہ گاہ
کی سرک پر اُسی کے انتظار میں کھڑی تھی ۔ یہ دلال میرے ساتھ بڑے لطیف و
مہربانی سے پیش آیا ۔ اور میں نے خدا کا شکر ادا کیا کیونکہ یہ پہلی بھر دی تھی جو ان
شہروں میں میرے ساتھ کی گئی جہاں میں بھاگ کر آئی تھی ۔ مگر جب ہماری گاڑی

لوگوں کی نظروں سے کچھ دور ہو گئی تو مجھ سے وہ کہنے لگا: اپنا روپیہ بہ میرے
 حوالے کر دونا کہ میں چھپا کر رکھ لوں، مجھے خوف ہے کہ لوگ تم سے چھین لین گے۔
 جب تم مانگو گی میں پیش کر دوں گا۔ لیکن جب اُس کو یہ معلوم ہوا کہ میرے پاس
 کچھ نہیں ہے جو اس کے حوالے کر سکوں تو بڑی سیلہ دی سے اُس نے مجھے
 دھاری سے ڈھکیل دیا اور تنہا چھوڑ کر چلتا ہوا کہ فضلاء کے سایہ رحمت میں شریک
 ہونا تک میں فوٹتی رہوں۔

اُس تاریک شرک پر اسے بھائی! جہان کو ڈاکر کٹ اور نجات کے
 ڈھیر کے سوا اور کچھ نہ تھا اس وحشی نے مجھے ڈال دیا۔ کاش وہ مجھ کو جہاز ہی پر پڑا
 رہنے دیتا! شاید میں دہان کوئی رفیق دل پاتی جو میرے حال زار پر ترس کھا کر
 میرے بوجھ کو ہلکا کرتا۔

اگر اب میں اُن سیکڑوں مصیبتوں کو دہراؤں جو مجھے پیش آنی تھیں تو
 سخت سے سخت پتھر بھی رونے لگے اور بے حس و سمجہ مخلوق بھی کانپنے لگے۔
 لیکن میں تم سے صرف اس قدر بیان کر دینا کافی سمجھتی ہوں کہ اگر ہم اہل مشرق
 کے دنوں میں کوئی شہرِ یافانہ جذبہ ہوتا تو ہرگز اپنی عورتوں کو یوں نہ چھوڑتے
 کہ وہ ان ملکوں میں جا رہیں جہاں ہر کاری کے سوا اور کچھ نہیں۔

ان حسین کلیوں کی قسم۔ میں نہیں جانتی۔ کہ کیونکر ان کو تمدن و ترقی کے
 ملک اور تہذیب کی سرزمین کہتے ہیں۔

بے شک جسے لوگ تمدن کے نام سے تعمیر کرتے ہیں وہ وہم باطل کے
سوا کچھ نہیں، نہور حقیقت کے سامنے اس کا وجود اس طرح فنا ہو جاتا ہے جس طرح
تیز ہوا کے آگے دھواں۔ اور جسے یہ لوگ ترقی کہتے ہیں وہ پستی و گناہی کے سوا
کچھ نہیں؛

جو تمدن جائز رکھتا ہو کنپچے سڑکوں پر جاڑے مین پرے مراکین۔ اور
عورت کو حکم دیتا ہو کہ اپنے قیمتی بچوں کی پرورش کی خاطر وہ اپنی عصمت تھوڑا
سے مال پر بیچ ڈالے اور لطف یہ کہ دولت مند دولت جمع کرنے اور اپنے
صندوقوں کو بھرنے کے خیال سے ان کو روٹی اور پانی تک دنیا گوارا نہ کریں
وہ یہود و مدن کرو فریب کی بنیاد پر مبنی ہے !!

جو ترقی حکومتوں کو ظالمانہ ٹکس اور قواعد نافذ کرنا بتاتی ہو جس کی بدولت
قوم کے بچے جنگی طاقت کو بحال رکھنے کے لیے اپنی جانیں دینے پر مجبور ہوں
وہ جھوٹی ترقی ہے !!

عورتیں بیوہ ہوں، بچے قیمتی ہوں، خون ریزیان ہوں، ابرو ریزیان ہوں،
یہ سب کچھ چھوڑ کر وہ کہے جاتے ہیں :

”ہماری موجود تہذیب نہایت استوار بنیاد پر قائم ہے۔ خدا ہی سمجھے انسان کی مظالم“
کاش مجھے بتایا جائے کہ کیا تمدن کی بنیاد غریب و امیر میں کوئی باہمی
ستیا زرتے اور قوی و ضعیف میں فرق سمجھنے پر قائم ہوتی ہے؟ اور کیسا

ناموش و مطمئن قوموں میں محض کسی وزیر یا کسی مغیب کے اعزاز کی خاطر جنگ
فساد کی آگ بھڑکانے کی صورت ہی میں رتی کی تکمیل ہوتی ہے۔

مجھے معاف کر اے فطرت! تو اپنے اُن فرزندوں پر غصہ نہ کرنا، جو اپنے
مفسل بھائیوں کو ہلاک کر کے خود اپنی بربادی کا سامان کر رہے ہیں، آہ مہین
مندن باطل نے اندھا کر دیا ہے اور اُن مہین اُن کی خواہشوں اور ہوس نے
گمراہ کر رکھا ہے۔

وہ آج محض دولت کے نشے میں بہست ہیں۔ وہ اپنے ضمیر کی آواز پر
کان نہیں دھرتے اور نہ صدا سے حق کو کان لگا کر سنتے ہیں، لیکن جب وہ بیدار
ہوں گے تو پھر اور بڑی مصیبت کا سامنا ہوگا۔

ان کو چھوڑ دو۔ گہری نیند میں بے ہوش پڑے رہیں، پھر جب کبھی روشنی
پھیلے گی، اور اُن کی خواب آلود آنکھوں کو حرکت دے گی تب وہ اپنے کیے
پر پشیمان ہوں گے، اپنی کھوئی ہوئی دولت پر شرم و مذمت سے انگلیاں
کاٹیں گے اور جو کچھ بڑی گیلیں گے۔

وہ آپ اپنی جانوں کا نقصان لین گے۔ تو اے فطرت خاموش! اپنے
غصے کی آگ اُن پر نہ برسا۔ مگر میں تجھ کو تیرے خوش نوا طیور کی اور خوش سواد فضا
سواحل کی تیری حسین و جمیل کلیوں کی اور دل آویز و دل کش اسیدانوں کی
قسم دیتی ہوں کہ اب اولاد مشرق کے جذبات کو جنبش میں لا، اور مہین اُن کی

مصیبت سے نکال کیونکہ اُن کے قدم ڈگمگائے اور وہ تمدن فاسد کے عین غارین گر پڑے ہیں۔

اُن مین سے کچھ لوگوں نے (حالانکہ وہ خود بے خبر ہیں) ایک بدترین نادت اختیار کر لی ہے اور وہ عادت اُن کی طبیعتوں میں جڑ پکڑا گئی ہے بلکہ ایذا ملکہ در اسخ بن گئی ہے جسکو ”موت“ کے سوا کوئی نہیں چھوڑا سکتا۔ وہ عادت کیا ہے۔ عورتوں کو یورپ کے شہروں میں طلب معاش اور دولت کمانے کے لیے بھیجنا، یہ طریقہ شریفانہ ہو یا غیر شریفانہ مگر وہ تو بستر کابلی پر پڑے ہوئے قمار خانوں اور شراب خانوں میں اوقات گزار رہے ہیں۔

ایک عورت اُن شہروں سے آتی ہے جو اپنے گھر کے تاریک گوشوں کے سوا کچھ نہیں جانتی، اس نے اپنے نشہ باز شوہر کے سوا کسی کو نہیں دیکھا ہے جو اس بے زبان پر سختیاں کرتا رہتا ہے مگر وہ بیان (یورپ میں) اگر خوب ہی آزادی سے کھل کھیلتی ہے اور بے روک ٹوک جو چاہتی ہے کرتی ہے وہ بازاری عورتوں کے ساتھ رہتی ہے کیونکہ اپنی جہالت اور مفلسی کی وجہ سے وہ معزز و شریف عورتوں سے نہیں مل جل سکتی وہ فطری طور پر تمام مورین انجین (ادنی درجے) کے نقش قدم پر چلنے کے لیے مجبور ہے اور یہ اہل مشرق کے لیے ایک بڑی مصیبت ہے۔

وہ گھاس کے گٹھے اٹھاتی ہے، اپنا پیٹ پالنے کے لیے جنگلون میں

ماری ماری پھرتی ہے، وہ ایسے کام کرتی ہے کہ بین انسانی بھی شرم و نجاست سے عرق عرق ہو جاتی ہے، اور اس میں جو کچھ ذلت و عار ہے وہ ظاہر ہے۔ اور اگر بعض سمجھ دار لوگوں کے دلوں میں جذبہ بہادر دی نے حرکت کی اور وہ آمادہ ہوئے کہ اس عورت کو ناپاک و شرمناک افعال سے روکین تو وہ لہذا چلا کر دوڑتی ہے اور کہتی ہے: کیا تم میری شخصی آزادی اور ذاتی استقلال کو چھیننے لیتے ہو؟ مجھے میری حالت پر چھوڑ دو، مجھ سے کیا مطلب؟ ہم اپنے گھر میں آزاد و مختار ہیں تم اپنے گھر میں، تب یہ حضرات اپنا سامنہ لیکر جدھر سے آئے تھے اور دھری چلے جاتے ہیں، اور اپنے وطن عزیز و فرزند ان وطن کی حالت زار پر آٹھ آٹھ آنسو روتے ہیں۔

اے بھائی! بارہا میں نے یورپ والوں کو آپس میں چپکے چپکے یہ کہتے اور سرگوشی کرتے سنا ہے:

کیا مشرقی مرد کے لیے یہ شرم کی بات نہیں ہے جس کی رگ دل خونِ مردی سے جنبش کرتی ہے۔ وہ دیکھتا ہے کہ اُس کی بیوی یا بیٹی ٹرکون پر ٹھانس کا گٹھا لادے پھرتی ہے۔ اور اب سوسائٹی کے لیے ایک عام مصیبت ہو گئی ہے؟

کیا اب بھی شام کے پوتہ نین شرماتے کہ ان کے وطن کا صاف و پاک کپڑا ذلت و رسوائی کی آلودگیوں سے ناپاک ہو رہا ہے؟ اور وہ اپنی یہ

حالت بنالیتا ہے جس سے اس کی ذاتی عزت اور باپ دادا کی عزت خاک
میں مل جاتی ہے، وہ عزت جو محنت اور مزدوری کرنے، رات دن کے محنت
سے محنت کام کرنے کو اس سے اچھا سمجھتے تھے کہ ان کے دامن ابرو میں داغ
لگے، یا ان کی ذاتی شرافت پر حرف آئے۔

کیا انھیں اپنے ایک شاعر کا یہ قول یاد نہیں ہے :
لَا تَقْنِيْ كَاْسَ اَنْحِيَا ذِرْزِرَةً كَبَلِيْ قَا سَقْنِيْ بِاَنْعِزْ كَاْسَ اَنْحَطَسْ
’مجھ کو ذلت کے ساتھ جام حیات نہ پلاؤ۔ بلکہ عزت کے ساتھ پلاؤ پاسبان وہ
رجاؤں (حفظ) ہی کا جام ہو‘

لیکن یہ کیونکر یاد رکھ سکتے ہیں۔ ان کے دل تو آپس کی لڑائی ہی سے فارغ
نہیں ہیں، وہ کیونکر یہ سن سکتے ہیں۔ ان کے کان تو برے ہو چکے ہیں۔
باوجود اس کے بھی میں ان دور دراز شہر دن کو چھوڑ کر انھیں کے پاس
واپس چلی آئی۔ مجھ پر خزان اور بہار کا سارا موسم گزر گیا۔ اور میں اسی
جھوپڑی میں مقیم ہوں۔ کہ نہ میں کسی آدمی کو دیکھوں اور نہ کسی آدمی سے
بات کروں۔

میں بنگلے کے پھل بیان کا مالیتی ہوں۔ میں اپنی آنکھوں کے آئینہ
پی لیتی ہوں اور یہ کہشش کرتی ہوں کہ کسی انسان کو نہ دیکھیں مگر تو کو
ہاں تم کو قدرت نے بھیج دیا کہ میری پھینکی میری حالت حالی میری درختانی

کے گواہ رہو۔ یہ ہے میری داستان اے نوجوان! اور یہ ہے میرا وہ سبق
اے بھائی!

تھارے سامنے میں نے اپنا دل چیر کر رکھ دیا ہے۔ تمہارے آگے میں نے
اپنا کلیجہ نکال کر رکھ دیا ہے، تم نے اس کے زحمتاے پہنان خود دیکھ لیے
اب تمہارا جی چاہے تو لوگوں کو اتنا بتا دینا کہ: وردہ ناسکہ بدکار عورت نہیں ہے!

x x x

جب مغز خاتون وردہ نے اپنا سلسلہ کلام ختم کیا تو اٹھ کر مین کھڑا
ہو گیا اور بغیر کچھ کہے اپنے دلی تاثرات کا اظہار کرتے ہوئے اُس سے رخصت ہوا

.....



سوسائٹی کی شہید

اوداس اور غم گین چہرہ، سرنگون پلکین، پر غم و اشک ریز آنکھیں، چاک پیرہن، اور ہاتھ بندھے ہوئے ایک ناتوان ہستی ہے جسے کوٹوالی کا سپاہی بے دردی کے ساتھ کوڑے مارتا ہوا لے جا رہا ہے اور لڑکے اُس غریب و بد نصیب کو بچھو رہے ہیں۔ وہ گہری گہری سانسین بھر کے، اور سسکیاں لے لے کر روتی ہے،

وہ چیختی چلاتی ہے، وہ فریاد دزاری کرتی ہے، واویلا مچاتی ہے، مگر کوڑے ہیں کہ برابر پڑ رہے ہیں، اور ڈھیلے ہیں کہ لگاتار برس رہے ہیں، گویا اُن کے دلوں سے رحم ناپید ہو گیا ہے۔ یا ان کے دل بچھو گئے ہیں جو ذرا نینیں پیچھے ڈراما اثر نہیں ہوتے۔ یا ان کی مان بہنیں نینیں ہیں جن کی طرف سے کچھ خوف ہو کہ خدا نخواستہ وہ بھی ایک دن اسی حالت کو پہنچ جائیں۔ یہ وہی غریب لڑکی ہے جسے مین نے اُس وقت دیکھا تھا، جب کثرتِ کار سے تھک کر ذرا اپنا دل بہلانے کے لیے ایک خاموش سڑک کی طرف نکل گیا تھا۔

اس پر آشوب منظر نے مجھ میں ایک تاثیر شدید بھردی یہاں تک کہ

بے اختیار مجھے رولا دیا۔ میں آگے بڑھا اور ذرا غور سے دیکھ کر مہس
منظومہ کو پہچان لیا۔

ہاں میں نے پہچان لیا یہ وہی گانون والی پاک طینت و سادہ دل و شیر
ہے جو پر فساد دی میں مویشی چرایا کرتی تھی۔

میں نے پہچان لیا یہ وہی غزالہ رعنا ہے جو مجھے زیتون اور بیسکی
تھنیاں اپنی جھونپڑی بنانے کے لیے لالا کے دیتی تھی، جبکہ میں دنیا کے
شور و غل سے بھاگ کر ایک دامن کوہ میں پناہ گزین ہونے والا تھا۔

لیکن افسوس! جس حال میں پہنچے دیکھا تھا آج اس کے خلاف دیکھتا ہوں
اس کو میں نے ایک زمانے میں شگفتہ و اخذہ لب دیکھا تھا آج یہ
کیوں دل شکستہ و مصیبت زدہ نظر آ رہی ہے ؟

میں نے اُسے معصوم و نیک طینت دیکھا تھا آج میری آنکھیں یہ کیا
دیکھ رہی ہیں کہ ایک کو تو الٹی کامس پامی اس کو ایک مجرمہ کی طرح گھسیٹا ہوا
لیے جاتا ہے ؟

میں نے اس کو دیکھا تھا کہ : وہ نازک نازک کلیوں کے سوا اور کچھ ہاتھوں سے
تین ہاتھانی تھی مگر اس کے ہاتھوں میں کلیوں کی جگہ آہنی زنجیریں کیونکر
دیکھ رہا ہوں ؟ ...

خاتمہ اس کو خونخوار انسانی درندوں نے دبوچ لیا۔ اور انسانی خون آشام

دانتوں نے اس کے دل میں اتر کر اپنا کام کیا، اور اس کی زندگی کا ہر چہرہ ظالموں نے چھوڑ دیا کہ اب وہ صدمہ و الم سے کراہتی ہے، روتی ہے، فیاہ کرتی ہے، مگر اُس کے گرم آنسوؤں کے سوانہ کوئی فواید رس ہے، اور نہ دوا گار۔ اُس کے دل میں ایک زخم پڑ گیا تھا اس سے بری بدبو پیدا ہوئی اس کے باپ کو نفرت ہو گئی، اس کی ماں بہنوں کو بھی اس کے پاس سے الگ ہونے پر مجبور کیا، کیونکہ ”اُس کی بیماری مقدی سمجھی گئی، آخر سارے خاندان نے اُسے چھوڑ دیا، جب اُس نے دیکھا کہ قریب کے عزیزوں نے اس بیمار ذات کو اس طرح جدا کر دیا ہے جس طرح پھل سے گھنٹی نکال کر پھینک دی جاتی ہے۔ تو وہ سب کس و تنہا رہ گئی اور ذلت و حقارت سے دیکھی جائے گی، رکاش یہ سنگ دل سسڑ بھوکا یہ قول یاد رکھتے جو وہ ایک بد نصیب انسان کی تعزیت و تسلی کرتے ہوئے کہتا ہے: ”اے مرد! ہم سب اس خطابِ مرد کے ذیل میں ہیں، کبھی اس عورت کو ذلیل نہ کر جو بد چلن ہو گئی ہے تو نہیں جانتے کہ کس بھاری بوجھ کے نیچے رب کروڑ چور ہوئی ہے، ضرورت ہے کہ اس کی دھڑا پر رحم کیا جائے اور اس کے زخم پر مرہم کا چھا بار کھا جائے، مگر نہ یہ مرہم جو اُس کی جراحت پہنان کے لیے ممکنہ ان ثابت ہو۔

اس مجروحہ کو دودن ہوئے ہیں کہ دیوانہ وار خجل کی طرف چلی، چلی، غمی اور ماری پھر رہی تھی، وہ خود نہیں جانتی تھی کہ کیوں اور کمان جا رہی ہے؟

اس کی دونوں آنکھوں میں روشنی کی جگہ انہ میرا چھایا تھا اور آدمی اس کی نظر میں وحشی و زندے تھے جو اس پر حملہ کرنا اور بھاڑ کھانا چاہتے تھے۔

بھوک نے اپنے تیز دانتوں سے اس کو چبا ڈالا۔ پیاس نے اپنے تیروں کا اس سے نشانہ بنایا تب وہ شہر کی طرف نکل آئی، اس دہکتی ہوئی آگ کے آہنی آتش دان کی طرف، وہاں جہاں پاک بازی مٹادی جاتی ہے اور بدکاری، عورت پاتی ہے۔ وہ سڑکوں پر اپنا پیٹ بھر کو مانگنے کے لیے اور اپنی بھوک پیاس کی آگ بجھانے کے لیے پھرنے لگی! کاش مجھے معلوم ہوتا کہ اب وہ اپنا پیٹ بھرنے کی کیا تدبیر کرے گی وہ کیونکر اور کہاں سے کھائے پیے گی؟ اسے ہر گمانہ و بیگانہ نے گھرک دیا تھا، اسے ہر دوست و دشمن نے جھڑک دیا تھا،

وہ چلی مگر نا ابدی اس کے آگے آگے تھی۔ آخر تھوڑی ہی دور چل کر بھوک کی شدت اور تھکن نے آگے نہ بڑھنے دیا۔ اور اس کے جسم کی ساری طاقت سلب کر لی سوہ زمین پر گر پڑی اور گرم گرم سانپوں نے لے کر دردمندانہ آواز میں رونے اور کراہنے لگی۔

اس نے راہ گیروں کے آگے خیرات مانگنے کو اپنا خالی ہاتھ پھیلا دیا وہ ان کو خدا کی آسمان وزمین کی اور ہر عزیز پیار سے کی قسم دیتی ہے وہ عاجزی کے ساتھ گڑ گڑاتی ہے کہ مجھے کچھ کھانے کو دین، لیکن اس کی یہ سب گریہ و زاری بے سود تھی کیونکہ اس کی آواز سننے سے کان بہرے ہو چکے تھے اس انسانی

دیوی کو خاک پر پرہی ہوئی دیکھنے سے آنکھیں اندھی ہو چکی تھیں۔
جس طرح اس عالم وجود میں ہر ایک اپنا حق عاجزی و ذاری کے ساتھ
مانگتا ہے اسی طرح اس عورت کا معدہ بھی برابر اپنا حق مانگ رہا تھا احسنہ
مادوس ہو کر اس نے اپنی مالکہ کو چوری پر آمادہ کیا۔۔۔

یہ وہی پاک طینت دوشیزہ ہے جو دوسروں کے حقوق کی عزت کرتی تھی۔
آج خود ہی ان پاک حقوق کو پامال کر رہی ہے لیکن یہ قصور اس کا قصور نہیں ہے۔
اتنے میں ایک پولیس کا سپاہی آیا اُس نے اس در ماندہ لڑکی کو چور اتنے
ہوے دیکھ لیا کہ وہ اس کو بکڑ کر قید خانے لے چلا ہے، اُس تنگ و تنار ایک مکان
میں جہاں چور اور ڈاکو رہتے ہیں۔ وہ بد نصیب طرح طرح کی اذیتیں اور ذلتیں
اٹھائے گی۔ لیکن انصاف یہ ہے کہ یہ قصور اس کا نہیں ہے۔۔۔ قصور ہے
اس خرمخوار وحشی مرد کا جس نے اس کی عصمت کا خون اُس کے دل سے
جوس کر مصیبتیں اور ذلتیں اٹھانے کے لیے چھوڑ دیا۔

x . x . x

یہ بونہ ہے اُس عورت کا جس نے اپنی پاک بازی کو کھو دیا اور۔۔۔ ہو گئی۔
وہ اب بچو کے اس قول کی مصداق ہے : وہ شہنم کی ایک شفاف بونہ
ہے جسے نورانی صبح نے ایک جلد کھٹنے والی کلی کی نازک پنکڑی پر پرویزان
کیلاہی تھا کہ نسیم مکر و فریب کے جھونکے نے اُسے بے دردی سے بیچے کر دیا۔

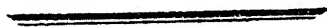
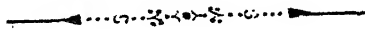
جہاں وہ بوند خاک میں مل کر کچڑ کی ایسی ذیل ہو گئی ۔
 وہ نور کی طرح جلکا کر اور اپنی نظر فریب تابش جہاں دکھا کر ایک گھر سے
 گڑھے میں گر گئی ۔ لیکن نہیں اسے جلد باز تو نے بہت عجلت سے کام لیا
 اس بوند کو تو زنی آفتاب کی ایک شعاع کافی تھی وہ اس ناجیز بوند کو
 بخار بنا کر اوڑھ لے جاتی اور پھر یہی بوند دوبارہ اُسی آب و تاب اُسی رونق
 سے جلوہ آرا سے بہا رہوتی ۔ اس دوشیزہ مجروح و حزن دل کے لیے پاک اور
 نور محبت کی ایک شعاع کافی تھی وہ شعاع پھر اس گری ہوئی حالت سے اُسی
 جہاں و سنگتگی پر ناسکتی تھی ۔ اس کو ایک نگاہ لطف و کرم کافی تھی ۔ وہ اس کو
 دور گزشتہ یاد دلائی تو وہ ضرور پھر اپنی اصلی حالت پر آ جاتی ۔

x x x

کاش ہم اپنی نگاہ اٹھا کر زنی یافتہ ممالک کو دیکھیں اور اپنا مغرب
 کے حالات پر ذرا غور کریں تو ہم کو ان میں بہت ایسے لوگ ملیں گے جو اپنی
 جانوں کو مذہبی خدمات کے لیے وقف کر دیتے ہیں اپنی بڑی بڑی راتیں
 جاگ کر ایسی سوسائٹیاں اور انجمنیں بنانے کے لیے گزار دیتے ہیں جو جہلن اور
 بہت حال عورتوں کو ذلت سے نکالنے کی کوشش کرتی ہیں ۔
 کاش مجھے معلوم ہوتا کہ اس مقصد سے بڑھ کر اور کون سا شریف مقصد
 ہو سکتا ہے کہ انسان ایک ناقص ہستی کے لیے ولی ہمدردی کا اظہار کرے

کہاں ہیں ان ملکوں میں حقیقی بیداری پھیلانے والے ؟ اور کہاں
ہیں وہ رفیقِ دل والے جو ایک ایسی انجمن قائم کرنے کے لیے اٹھ کھڑے
ہوں جس کی غایت ہو شکستہ دلوں کو ابھارنا، غریبوں کو تاجوں کے ساتھ
مجدد دی کرنا، اور ان کو سوسائٹی کے قابل بنانا۔

اے قوم ! ہمیں ایسی انجمن کی ضرورت ہے۔ جو غریبوں کو صبر کنی،
اور اہل ثروت کو ہم دردی کی تعلیم دے۔ ہمیں کچھ ایسے دل درکار ہیں جو ایک
تنگ دست کی مصیبت میں، اور ایک ستم رسیدہ کے غم میں شرکت کریں۔
ہر کام کرنے کے لیے اٹھ کھڑے ہوں اور جس بیداری کا خواب ہم مدت سے دیکھ رہے
ہیں اب وہ ہمیں آنکھوں سے دکھا دو اور اپنے کیے کی جزا پاؤ۔



پڑ مردہ کلی

میرے دل میں کچھ ایسے خیالات پیدا ہوئے کہ جنہوں نے میری عقل اور
میرے انکار کی رفتار کو پریشان کر دیا، تو میں منظر جاموش کی طرف نکل گیا کہ
اپنے دل کے اون مخفی رازوں کو فطرت سے بیان کروں جو میرے دل میں
جھکیاں لے رہے ہیں۔ اور اُس سے مشورہ لون، شاید وہ میرے رنج و غم کو
بٹائے اور میری اضطرابی کو دور کرے۔ چنانچہ مجھ کو اوس خوش سواد مفتاح کا
منظر بہت دل کش معلوم ہوا۔ اور موسم بہار کی کلیوں کی بھینی بھینی خوشبو نے
مجھے مست و مدہوش کر دیا۔ تب میں ایک چھوٹے سے ٹیلے سے ٹاک کر بیٹھ گیا
جس پر قدرت نے دیبا کی خوش بچھا دیا تھا۔ گویا یہ دیبا بی بستر۔ ہم ایسے۔ شہر
کے شور و غل، اور کش مکش دنیا سے بیزار اور تھکے ماندہ اون کی راحت رسانی کے
لیے تیار کیا تھا۔ میں ان پاکیزہ مناظر پر غور کرنے لگا کہ اگر ان کو آدمی اپنے کا رہا
میں رہنا بنائے تو ضرور ان سے ایسے فوائد حاصل کر سکتا ہے جو سیکرٹو استادوں
سے برسوں میں بھی حاصل نہیں کر سکتا۔

شاخوں کے جھونے میں پتوں کے کھٹکھٹانے میں، درختوں کے ہلنے میں،
ایک سبق ہے !

نیم سیر کرتی ہوئی پہاڑی کی بلندیوں پر سے خرامان خرامان چلی۔ اس نے میری زندگی کا کچھ حصہ دوہرایا اور میرے نفس کو جو دنیا کی خستگیوں سے جوڑ رہا تھا۔ حیات تازہ بخشی، میں نے باری تعالیٰ کے اس احسان عظیم کا شکریہ ادا کیا اور جو کچھ سکون و راحت میں نے پائی تھی اس کے لیے قدرت کاملہ کا بہت ممنون ہوا۔ پھر اس جگہ سے اٹھ کر درختوں میں ٹہلنے لگا۔ اور اُن روشن مخلوقات کی دل آویزی و دلچسپی پر تعجب کرنے لگا، جو انسانی عقول پر قبضہ کیے لیتے تھے، اور دلوں کو اپنا اسیر بنائے لیتے تھے۔ کہ اتنے میں ایک پر اثر منظر نے مجھ کو ٹھیرا دیا۔ میرا دل مجروح ہو گیا اور پھر سیری جان حزیں کے لیے آلام و صدمات تازہ ہو گئے۔

میں نے ایک حسین کلی کو دیکھا کہ زرد ہو رہی ہے، اور اس کی پنکھڑیاں بکھر رہی ہیں۔ اور بہ نسبت زندگی کے موت سے زیادہ قریب ہے۔ کیونکہ چھوٹی سی نہر کے پانی سے دور اور دھوپ کے گرم تعبیرِ دن سے دوچار ہے۔ یہ منظر دیکھ کر میں اس چھوٹی سی کلی کی حیات بے ثبات پر رونے لگا۔ پھر میں نے نہر کی طرف نظر کی تو دیکھا کہ ایک چنار کا درخت ہے جس کی ترو تازہ شاخیں اور سرسبز پتے نیم خوش گوار کے ساتھ اٹھکھیلیاں کر رہے ہیں۔ شاخیں باوجود عظمت و وقار کے ٹپک ٹپک جاتی ہیں، پتے جھجک جھجک پڑتے ہیں، اسکی ایک ٹہنی پر بیٹھی ہوئی ایک خوش آواز چڑیا نغمہ ریز ہے شاخیں

کھل کھلا کر منس پڑتی ہیں۔ گویا یہ کلی کی زرد روئی پر مذاق اڑا رہی ہیں۔
 اس چہار کو دیکھ کر مجھے رشک آیا کہ کس لطفت سے بہار زندگی لوٹ رہا
 ہے مگر اس کلی اور چہار کے درخت میں باہم شگفتگی درونوں اور خوش نصیبی و
 بے نصیبی کے لحاظ سے بڑا فرق ہے۔ آخر یہ بات کیا ہے کہ درخت حیات تازہ
 پاتا ہے۔ اور کلی مری دکھلائی جاتی ہے ؟

یہ سوال تھا جو میں نے اپنے جی سے کیا، پھر میں بھی عالم خیال میں جلا گیا
 اور یہ کہتے ہوئے فطرت کو اپنی طرف مخاطب کیا :

تو بے انصاف ہے اے فطرت ! کیونکہ تو اس کلی کی جان پر ترس نہیں
 کھاتی، تو نے اسے نہر کے پانی سے دور کر رکھا ہے کہ وہ بھوکی پیاسی مر کرے ۔
 اور بے درد ہے تو اے زمانے کیونکہ تجھے ”ملاک زہور“، کٹیوں کی شاہزادی
 کے حسن و جمال پر رحم نہ آیا تو نے اس کی جان لی اور اس کو اپنے آہنی قدموں
 سے روند ڈالا۔

تو ستم رسیدہ اور مظلوم ہے اے کلی ! اس واسطے کہ زمانہ حیات میں جان
 دے رہی ہے مگر شادابی بہار کے دنوں میں تیری نکھر پان کھلا رہی ہیں۔
 تو نے شبنم کے آگے دست سوال پھیلا یا مگر نسیم نے تجھے آب حیات کے
 چند قطرے دینے میں نخل سے کام لیا اور باغبان کچھ کو اپنی چھوٹی سی نہر کا
 پانی پلانا بھول گیا بس تیرے لیے یاس ہی یاس ہے۔ آہ تو کس قدر

مصیبت زدہ اور تیری زندگی کس قدر بد نصیب ہے اے کلی! کاش اے
بے زبان جان دینے والی کلی! تو اس سرزمین میں اپنے سر پایہ حیات سے
دور نہ اُگی ہوتی۔ بلکہ کیا اچھا ہوتا اگر عالم فنا ہی میں رہتی!

تو اے فطرت! اس نازک مخلوق! اس پاکیزہ کلی پر کیوں ستم ڈھاتی ہے
اور اسے زندگی سے کیوں مایوس رکھنا چاہتی ہے۔ کیا یہ ستم نہیں ہے کہ وہ
پرمردہ ہو رہی ہو، اور پھر اپنے عالم بہار میں؟ ۰۰۹

اے فطرت! اے قدرت! تو اس غنچہ لطیف کو پانی دینے میں کیوں
بخل سے کام لیتی ہے اور چار کے درخت کو پانی دینے میں کیوں یاد لی دکھاتی
ہے؟

تو کس طرح جائز رکھتی ہے کہ ایک چند روزہ مہمان ایک ”نکتہ وداع“ پر مژدہ
اور خشک ہو کر سے حالانکہ وہ اس لائق ہے کہ جیسے اور زندہ رہے تاکہ اس کی
پاکیزہ خوشبو پھیلے۔ آہ تو کس قدر سنگدل ہے۔



یکلی کنایہ ہے اُس پاک دل دوشیزہ سے جو اخلاق اور نیک صفات
کے زیور سے آراستہ ہے۔

یہ وہ دوشیزہ ہے جسے جمال فطرت نے کمال محاسن سے سنوارا ہے اور
فطری دل کشی کی تمام خوبیوں سے اس کے حسن و زینت کو دوبارہ کر دیا ہے۔

لیکن وہ ہمارے افسوس صد افسوس... فقیر ہے۔ محتاج ہے۔ زمانے نے
اسے دولت مند بنانے میں بخل سے کام لیا...

اللہ اکبر۔ کس قدر تلخ ہیں تیرے احکام اے درجاء و مال بلکہ کس قدر
 بے رحم ہیں وہ فوجوان جو تیرے فریقہ ہوئے اور تیری محبت کا دم بھرتے ہیں۔
 سچ تو یہ ہے کہ ان کی آنکھیں اندھی اور ان کی مصیبتیں عام ہو گئی ہیں۔
 بہت سی کلیان ہیں جو اس کلی کی طرح کھلا کر فنا ہو جاتی ہیں۔ صرف
 اس لیے کہ وہ نہر سے دور ہوتی ہیں۔ اور بہت سے درخت اس چنار
 کی طرح جی جاتے ہیں اگرچہ وہ دل کشی سے خالی ہونے ہیں۔ محض اس لیے
 کہ پانی اُن کی آغوش میں کھیلنا رہتا ہے

x x x

میں اسی حال میں تھا، کبھی تو فطرت کو سرزنش اور کبھی زمی کرتا تھا
 کہ گرجے کی گھنٹی نے میرے کانوں میں پونج کر غفلت و خود فراموشی سے چو نکا دیا
 اور میں شہر کی طرف پلٹ پڑا مگر اس طرح کہ اس ننھی کلی کی زندگی پر اٹھ آٹھ آنسو
 روتا جاتا تھا...

بسترِ نزع پر

رات کا سناٹا چھا گیا ہے، چراغ خاموش ہو چکے، اور گائون والے دن میں اپنے مویشی کو سیراب کر کے اب مصروف خواب ہیں، تبار کی تمام عالم پر چھا گئی ہے، یہاں تک کہ اگر دور کے کسی مکان کے روشندان سے دھندلی دھندلی روشنی نہ نکل رہی ہوتی تو دیکھنے والے کو یہ خیال ہو سکتا تھا کہ نہ اس گائون میں زندگی ہے اور نہ کوئی مکان۔

ہمیں وادی کے کنارے، لوگوں سے دور، نازنین مارگریٹ رہتی ہے۔ یہ وہ ہی دد شیرہ ہے جس نے شہر والوں کی غفلت کو اپنا اسیر حال بنا رکھا تھا اور اپنے حسن اخلاق کی کندہین گرفتار کر لیا اس کے بائین ہاتھ کا کھیل تھا۔ یہ دنیا کی اُلجھنوں سے بھاگ کر ایک بیماری کے سبب جس نے اس کے سینے میں درد و کرب بھر دیا تھا۔ اس گاؤں میں رہنے لگی ہے۔

رات کے اس پر ہیبت خاتم میں سے تیز بخار، اجوش و تگمہ گرمی سے اس کے پاک و نازک دل کو گچھا لے دیتا تھا۔ اس نے اپنے کانپتے ہوئے ہاتھ میں قلم لیا اور یوں لکھنا شروع کیا:

”پیارے جمیل!

”میں یقین خط لکھ رہی ہوں مگر اس حال میں کہ بستر نزع پر پڑی ہوں اور
تم مجھ سے دور ہو، اب میں وہ تری محسوس کر رہی ہوں جس کی ان ویران
مقاتلات میں شوگر نہ تھی۔ اور میں اس درد سے بہت بے چین ہوں جو میرے
دل میں تم نے اپنی جدائی سے پیدا کر دیا ہے۔

اے جمیل! تم نے مجھے اس وقت چھوڑا ہے جب میں بھاری نہایت
متحاج تھی تم نے مجھ سے اس وقت کنارہ کیا اے میرے پیارے! جب تم ہی میری
امید اور تم ہی میری آرزو تھے آج بھاری جدائی میں میری ہر تنہا پر اُدس
پڑ گئی ہے۔

اب میں اے جمیل! ”آسانہ ابدیسیب“ (رفنا) پر کھڑی ہوں، میں اپنے
اندرونی زخموں سے چور ہو رہی ہوں، اور موت کے فرشتوں کو دکھیتی ہوں کہ
میری روح کو غیر محدود فضا میں لے جانے کے لیے آمادہ ہیں۔

”تھوڑی دیر کے بعد اے میرے پیارے مجھے لوگ قبر کی طرف اٹھا کر
لے جائیں گے اور میرے جسم زار پر خاک ڈال دیں گے۔

”تھوڑی دیر کے بعد اے میرے پیارے! بھاری مارگریٹ ایک بے حس
حرکت لاش ہوگی۔ اور جس وقت تم کو یہ خط ملیگا وہ عدالت کے سامنے کھڑی
ہوئی جو رواستباد کا شکوہ کر رہی ہوگی۔

اے میرے پیارے! میرا بخار بہت تیز ہو گیا ہے جس نے میرے جسم کو

گھلا ڈالا ہے، اور میں بہت دہلی اور زرد ہو گئی ہوں۔ سایہ کی طرح جھک گئی ہوں اسی سبب سے مجھے یقین ہے کہ میری جان میرے جسم سے جدا ہونے ہی والی ہے، میں جلد آنے والی ہوت کاب! انکل یقین رکھتی ہوں۔

تم میری جوانی پر نہ رونا اے جمیل!... تم میری بہار شباب پر نہ رونا!... تم اُن حاصل زندگی گھڑیوں پر نہ رونا جو متصل ہم نے تم نے پیدا کر اور چار کے درختوں کے سایے میں گزاری ہیں!... تم اس دو شیرہ پر نہ رونا جو چار سہوم اور باطل عقائد کے مظالم کی شہید ہو کر مر رہی ہو۔ کیونکہ میں اس شہیدِ دنیا سے جدا ہونے پر بہت ہنس رہی ہوں جو بد عہدی دریا کاری سے بھری ہوئی ہے۔ میں اس دنیا میں ایک چیز کے سوا اور کچھ نہیں چاہتی، وہ یہ کہ تم کو میں دیکھ لوں اور تمھاری حسین و جمیل آنکھوں کی زیارت سے لطف اندوز ہوں۔

مگر میں مجبور ہوں کیونکہ اب میرا جلد کام تمام ہو جاتا ہے اور تم مجھ سے دور ہو۔ اس سے پہلے کہ میں تم کو اپنے پاس بیٹھا دیکھوں۔ میری سانسین ہمیشہ کے لیے فنا ہو جائیں گی۔ خدا ہی سمجھے کس قدر ظالم ہے تو اسے دنیا اور کس قدر سخت و سنگین ہیں تیرے احکام! براہِ تیراے بشریت تو حق و انصاف کے شاہدے سے کیسی اندھی ہو گئی ہے...

میرے پیارے جمیل!

میں نے اپنے گھر اور گھر والوں کو چھوڑا، اور بھاگ کر ان سنان بیابانوں میں

اُئی، کیوں؟ صرف تمہارے لیے۔

میں نے بہت ایذا میں جھیلین اور ہارے آج میں درِ فنا کے سامنے کھڑی ہوں صرف تمہاری وجہ سے،

میں نے زندگی پر موت کو ترجیح دی۔ اور محض تمہارے لیے اپنے باپ کی خلیاں اٹھائیں۔ پھر بھی کیا تم مجھ سے ہمیشہ دور ہی رہو گے؟ ...! جب بہار آئے گی اور کلیاں جھلکین گی، تب بھی کیا تم مجھ بے کس کی تربت پر آکر دو پھول نہ چڑھاؤ گے؟

آہ اسے جیل! یہی گھڑی کس قدر اچھی ہوتی اگر تم میرے پاس ہوتے۔ اور یہی چند منٹ کتنے پر لطف ہوتے اگر میں تم کو دیکھ رہی ہوتی۔

اب میں نے انسان کی حقیقت پہچانی، اور زندگی کے سربستہ راز پالے۔ زور کے ساتھ کہہ سکتی ہوں کہ عمر ایک خواب ہے اور جو قانون آدم کی اولاد بناتی ہے وہ محض وہم و سترابا وہم ہے۔

آج میرے سامنے اُن ناپاک اور شرناک جرائم کی تصویر ایک پیکرین کر کھڑی ہے۔ جن کا ارتکاب انسان اس خیال سے کرتا ہے کہ وہ ایک مافغان قوت ہے، جو شرافت کی طرف سے کام میں لائی گئی۔ اب میں جان گئی کہ زندگی اور شرافت بغیر سچی محبت کے کچھ نہیں ...

اے جیل میری سنو! اور جو کچھ میں لکھتی ہوں اسے سوچ سمجھ کے پڑھو

کیونکہ اس دنیا سے رخصت ہونے سے پہلے تمہیں میری یہ آخری وصیت ہے
 تم مجھ سے اے میرے پیارے! صرف یہ یقین کر کے جدا ہو گئے کہ میں نے
 تمہارے ساتھ بد عہدی، اور تمہارے سوا کسی اور سے محبت کی۔ تمہاری قسم
 اور تمہارے نرم دل کی قسم۔ اگر ذرا بھی غور سے کام لیتے تو سمجھ جاتے کہ میں ہمیشہ
 صرف تم ہی کو چاہتی رہی ہوں اور میرے تمام جذبات صرف تمہارے ہی
 فریفتہ رہے ہیں۔

تم میرے دل سے اے جمیل! دور ہو گئے، صرف اس سبب کہ حاسدوں
 نے تم سے میری جھیلیاں کھائیں، اور ایسی باتیں کہیں جن میں کوئی اصلیت کا
 شائبہ تک نہ تھا، تم نے ان کی باتوں پر کان دھرے اور یہ نہ سمجھے کہ جن باتوں
 کا مجھے عیب لگایا جاتا ہے، میں اُن سب سے بری ہوں اور میرا دامن ان
 آلودگیوں سے پاک ہے بلکہ میں تمہاری محبت کی دیوی پر اپنی جان قربان
 کر چکی ہوں۔

سنو میرے پیارے...

کیا تمہیں وہ دن یاد نہیں جس دن تم نے مجھے روشن دانوں سے دیکھا
 تھا کہ آسٹوبو بچھتی جاتی تھی،، سسکیاں بے لے کر اپنے دل کی گہرائیوں
 سے روتی جاتی تھی، لگانے بھانے والوں نے تمہارے کان بھرے اور جو کچھ
 چاہا کہا۔ تم نے اپنے تیروں سے زیادہ تیز لگا ہوں سے مجھے دیکھا اور میرے منہ پر

تھوک دیا، مجھ کو بہت لعنت ملاست کی، پھر تم نے مجھ سے یہ بھی کہا کہ میں تجھ کو
ہیشہ کے لیے چھوڑتا ہوں۔

بے شک جو کچھ بھی تم نے کیا اس میں تم غلطی پر ہو مگر اب میں تم سے چشم پوشی
اور تمھاری خطا معاف کرتی ہوں۔

میں تمھارے سو کسی کو نہیں چاہتی، میں اس وقت کسی اور سب سے
اپنا دلکھڑا کرنے نہیں بیٹھی ہوں صرف اس لیے روتی ہوں کہ امان سے مجھے
ابھی ابھی معلوم ہوا کہ میری سنگنی ایک پڑوسی سے کی گئی ہے جسے میں بالکل
ناپسند کرتی ہوں میں اس کی طرف دیکھنا بھی گوارا نہیں کر سکتی !

میرے پیارے! میں صرف اس لیے روتی کہ دیکھتی ہوں ان ملکوں میں
عورتوں کے ساتھ جانوروں کا سا برتاؤ کیا جاتا ہے وہ بھی جاتی ہیں وہ خریدی
جاتی ہیں اور ان سے شوروں تک نہیں لیا جاتا۔ گویا نہ وہ نفس رکھتی ہیں اور نہ کچھ اعتناء
ان کا باپ پکڑ کر لے جاتا ہے اور اس کا ہاتھ ایسے شخص کے ہاتھ میں پکڑ دیتا
ہے جس کے اخلاق و عادات تک سے وہ لڑکی واقف نہیں ہوتی اور اُسے
ایک اجنبی کی بیوی بننے پر مجبور کرنا ہے۔

اس کا اصلی سبب کیا ہے؟ جذبات و خیالات کا ہمارے بیان بچپن میں
بے تربیت چھوڑ دینا اور سوسائٹی میں مرد کا عورت کے مرتبے سے ناواقف ہونا
یہ مخلوق نازک ہے، بے بس ہے، اے جمیل! اپنی پیدائش کے وقت سے

لگا کر رہنے کے وقت تک رنج و محن میں قید رہتی ہے۔ کاش مجھے معلوم ہوتا کہ وہ ایسے شخص کے ساتھ کیونکر خوش رہ سکتی ہے جو اس پر سرداری و حکومت کا مدعی ہے ؟ خدا کی قسم میں نہیں سمجھ سکتی وہ کون سی دلیل ہے جس سے عورتوں کا محکوم ہونا اور ان کی آزادی کو جھین لینا مرد ثابت کر سکتے ہیں

کیا مرد عورت سے بلند فطرت پیدا کیا گیا ہے ؟ یا اور کسی بات میں مرد عورت سے ممتاز ہے ؟ ...

کیا وہ عورت نہیں ہے جو وطن کی خدمت کے لیے مردوں کو تیار کرتی ہے ؟ کیا وہ عورت نہیں ہے جو اولاد کو قوم کی خدمت کے قابل بناتی ہے ؟ افسوس ہے اے جمیل ! اُن لوگوں پر جو عالم ازل سے آتے ہیں اور حقیقی زندگی کا فرہ چکھنے سے پہلے وہیں لپٹ جاتے ہیں۔ کیونکہ وہ مجھے سوسائٹی سے باہر نکالتے ہیں اور مجھ سے بیزار ہیں۔ یہ لوگ صرف اُس ہستی کو سوسائٹی سے نکالتے ہیں جس کی زبردست روح نے ناروا جو رستم سے سربازی کی اور جہالتِ آنبرِ انسانی رسوم کی پابندیوں سے اپنے کو بالاتر سمجھا

یہ لوگ ”سرا رحیات“ سے ناواقف ہیں یہ زندگی کے ظاہری پہلو کے سوا اس کے معنوی پہلو کو نہیں سمجھتے !

یہ لعنت بھیجتے ہیں اُس روح پر جو ارضی قانون کی مخالفت کرتی ہے

اور کسی سے محبت کر لیتی ہے

”وہ عورت کے اوس وقت کے دکھ درد کی اصلیت کو نہیں سمجھتے جب وہ خود کسی ایسے مرد کے سامنے کھڑی ہوتی ہے، جسے قدرتی طور پر چاہتی ہے اور ایک ایسے مرد کے سامنے جس سے محض قانون ارضی کی بنا پر نباہ کرتی ہے!“ وہ بہت عجلت سے کام لیتے ہیں اور بی بی حوا کی معصوم بیٹی کی نسبت چکم لگا دیتے ہیں کہ وہ ناپاک اور گھنگار ہے، اگر وہ خود کشی کر لیتی ہے تو جسے اس کا ضمیر نہیں چاہتا اُس سے نہیں ملتی!

وہ اس پر درد نصیحت کو نہیں سمجھتے جو عورت کے آنسوؤں سے لکھی گئی ہے وہ اس کی معنویت پر بالکل غور نہیں کرتے۔

جمیل، جمیل، کیا تم سے یہ نہیں ہو سکتا کہ روشن عقل اور نرم دل لوگوں کا ایک زبردست لشکر تیار کرو جو درد مند انسانیت کی طرف سے مدافعت کرے اور ان ظالمانہ قوانین کے نشان تک کو صفحہ ہستی سے مٹا دین کی نسبت اُن کے بنانے والے کہتے ہیں کہ ”یہ آسانی قانون سے بنائے گئے ہیں۔“ درحقیقت وہ ایسے نہیں ہیں بلکہ چند قوی لوگوں نے اپنی مصلحتوں کو ملحوظ رکھ کر بنائے ہیں۔ کیا تم ایسا نہیں کر سکتے کہ اپنی زبردست فوج کے ساتھ ان انسانی طوفانی موجوں کے مقابلے میں ایک مضبوط دیوار بن کر کھڑے ہو جاؤ تاکہ اس طح ”انسانی قربانیوں“ میں کچھ کمی ہو۔

افسوس اگر تم جان لیتے! کہ کون سا جذبہ فطری میرے سینے میں اس
 غم ناک وقت میں موج زن ہے جس نے میری جان میں ایسا گہرا زخم ڈال
 دیا ہے جو موت کے سوا کسی دوا سے اچھا نہیں ہو سکتا۔ تو تم بھی آنسو بہانے
 میں میری شرکت کرتے مگر تم اس حال سے بے خبر رہے لہذا میں نے بھی تم کو
 معذور خیال کیا، تم نے مجھے ذلیل کیا اُس کا بھی انتقام کبھی میں نے نہیں لیا
 سوا اس کے اُس گھری کو چھوڑ دیا جس میں نشوونما پائی تھی اور بھٹارے
 نقش قدم پر چل گھڑی ہوئی

میں خود یہ نہ جانتی تھی کہ کدھر چلی ہوں اور جانا کہاں ہے؛ لیکن اپنے
 آگے ایک دھندلی سی روشنی دیکھتی تھی جو میری راہ نمائی کرتی جاتی تھی
 بس میں بھی اُسی کے پیچھے پیچھے چلی آئی۔

میں چلتی تھی اور بھٹیر بھٹیر بھی جاتی تھی کہ رات اپنی خوفناک تاریکیاں
 لیے ہوئے آگئی تو میں نے اپنے کو ایک بڑے تاریک غار میں چسپاں ہوا کوں
 کے سامنے پایا جن کے دلون میں نہ ہمدردی تھی نہ خدا ترسی۔

انہوں نے پیارے جمیل مجھے بہت مارا، مجھے طرح طرح کی ایندین دین
 مجھے ذلیل و رسوا کیا، اور تم مجھ سے دور رہے، پیارے! تم نے مجھ دیکھا بھی
 نہیں، نہ میرے درد و دل سے کچھ متاثر ہوئے

میں بے ہوش پڑی ہی۔ پھر جب گھری بے ہوشی سے کچھ افادہ ہوا تو میں نے

اپنے کو اس دیرانے میں پایا۔ اس گرجے میں۔ جہاں اب میں بہن میری کے ساتھ رہتی ہوں۔

یہ پاک طینت راہبہ بہت نیک عورت ہے اس نے میرے زخموں پر ہر دم رکھا، اس نے اپنے آنسوؤں سے میرے دل اور میرے زخموں پر دوا ٹپکائی، پیار سے جھیل تم کو بھی میرے ساتھ اُس کا شکر گزار ہونا چاہیے!

* * *

کس قدر تلخ ہے تو اے دور گزشتہ کی یاد! اور کیا اچھے تھے تم اے ایام ماضیہ! آہ اگر تم اب پھر آسکو تو میں یہ جہنم جو میری زندگی کے باقی رہ گئے ہیں تم پر قربان کر دوں۔ لیکن انوس اخالی آرزو میں کچھ فائدہ نہیں دے سکتیں۔ وقت گزر گیا۔ اور میں اپنے قوتوں میں بہت ضعف محسوس کر رہی ہوں۔

بس اے میرے مولا اپنی رحمت کے طفیل کیا تو نے میرے گناہ معاف کر دیئے، اُن مصائب کے بدلے جو میں نے اس دنیا میں اٹھائے ہیں؟ او کیا اب تو اے میرے آقا آنے والی دنیا میں بھی مجھے عذاب دیگا؟

نجا را اب بہت تیز ہو گیا ہے اے میرے پیارے! اور میرے توئے مضحل ہو چکے میرا ہاتھ بہت کانپنے لگا ہے۔ اب میں قلم کپڑے کی طاقت بھی اپنے میں نہیں پاتی۔ اے جھیل تم کہاں ہو۔ یہاں تک کیوں نہیں چلے آتے کہ تمہیں دیکھ لوں؟

کاش میری امان ہی کو یہ معلوم ہو جاتا کہ میں اب آستانہ ابدیت پر پہنچ چکی ہوں۔ بے شک صرف اون کا دل میری حالت پر دکھتا ہو گا۔ کاش وہ آئین اور مجھے دیکھ کر میری گذشتہ خطاؤں کو معاف کر تین

کاش میری بہن کو میرے عالم نزع کا حال معلوم ہو جاتا تو ضرور وہ اگر میری عیادت کرتی، اگرچہ تھوڑی ہی دیر کے لیے۔

کاش وہ میری عیادت کو اتنی تو میں اس کے ہاتھوں کو بوسہ بکرا سنے اپنی خطائیں بخشتا تو ہاے افسوس اسے جیل میں مر رہی ہوں اور جو مجھے چاہتے تھے انہیں سے کسی کو آس پاس نہیں دیکھتی۔ بیشک سب نے مجھے چھوڑ دیا۔ اور جس کی بدولت میں نے یہ دکھ اٹھائے وہ تم کو تم نے بھی مجھے چھوڑ دیا۔ مرد میں وفا کس قدر کم ہے، وہ کتنا خوش فہم و بے پروا میرا تھ شل ہو چکا ہے اور بخار کی شدت بہت بڑھ گئی ہے۔ اے جیل! رحم کرو! او میرے پیارے آؤ کہ میں تم سے رخصت ہوں۔ آخری رخصت۔
رخصت رخصت اے میرے پیارے ... رخصت ...

اے جیل .. میں تم کو یہ آخری پیار کرتی ہوں ... آہ! یا ابا! ...

مارگریٹ

سوچو جب صبح نے اپنی گلابی گلابی انگلیوں سے مشرق کے زربن دروازے کھولے ہیں ”میری“ بستر اس راحت سے اٹھ کر سیدھی مارگریٹ کو دیکھنے آئی۔ مگر اس نے مارگریٹ کو غیر فانی نیند میں سوتا ہوا پایا وہ ایک بے حس حرکت جسم تھی جس میں ذرا بھی نہ تھا

.....

شہداءِ ادب

رحمتِ خدا کی تم پر اے پاک و مبارک روح! اے دریاے ابدیت میں
تیر نے والی کشتیوں کے ہمارے اگلے انشا پر دازون اور شاعر و ن کی روح!
رحمت ہو تم پر رحمت!

تم مادرِ گیتی کے بھولے بھالے فرزندوں پر آسمانی غیظ و غضب نازل
ہونے کی خواہش نہ کرنا، اگر یہ دیکھو کہ ان میں سے ایک ذوقِ تمھاری ہنسی
اوڑتا ہے، تم پر ہنستا ہے اور تمھارا احترام نہیں کرتا۔ کیونکہ ایک دن وہ آنے والا
ہے۔ اور بہت جلد۔ کہ یہ لوگ اپنے کیے پر پشیمان ہوں گے اور اس وقت
ندامت ان کے آڑے نہ آئے گی۔

بد نصیب ہیں ہم خدا کی قسم اور بد نصیب ہے ہر وہ آزاد اہل قلم جس کی
رگوں میں حقوق و طینت کا خون دوڑتا ہے۔ کیونکہ ہم اپنے اربابِ مسلم کو
دیکھتے ہیں کہ انھوں نے اپنی تمام عمر قلم اور سیاہی میں فنا کر دی اور صرف اپنے
ابناء و جنس کی عقلی تار کیون کو روشن کرنے اور جلا دینے کے لیے اپنی عزیز
جانوں کو ”شیع“ کی طرح گھلا گھلا کر مٹا ڈالا، مگر وہ محض گوشہٴ بیان میں پڑے
ہوئے ہیں۔ ہم نے ان کو بالکل فراموش کر دیا ہے اور کوئی یادگار ان کی
قائم نہیں کرتے جو آنے والی نسلوں کو بتائے کہ وہ کیا تھے اور کس مرتبہ کے تھے

اور اس دنیا میں رہ کر کیا کر گئے ؟

اور مشرقی عادات کی طرح یہ بھی ایک عادت ہے جو اس کو ادب اور پستی کی طرف لیجا رہی ہے کہ مشرقی لوگ یادگارین اور محبتیہ قائم کرنا بے کار و بے نتیجہ خیال کرتے ہیں۔

کاش ہم اتنا سمجھتے کہ اگر مجسمہ نصب کرنا بے مغنی اور فضول بات ہوتی جیسا کہ اہل مشرق کا ظن فاسد ہے تو ہم ہرگز اہل مغرب کو جو تمدن اور ترقی کی راہ میں بڑے بڑے قدم مارتے ہوئے آگے نکل گئے ہیں، نہ دیکھتے کہ مشرکوں اور عام گزرگاہوں کو اپنے مشاہیر اہل سیف و قلم کے مجسموں سے بھرتے ہیں وہ مشاہیر جنہوں نے حب الوطنی کی راہ میں بڑی بڑی کوششیں کیں اور وہ کام کیے ہیں جس سے ان کا آفتاب اقبال آج بلند ہو رہا ہے۔

ہم ہرگز ملک فرانس کے ایک گم نام و حقیر گاؤں کو اس بات پر غور کرتے ہوئے نہ دیکھتے کہ اُس نے ہیجو (HUGO) اور والٹیری (VOLTAIRE) اور جان جارج روسو (J. J. ROUSSEAU) اور میٹ (A. de MONTESQUIEU) کے بت نصب کیے ہیں۔ اور ہم لوگ جو تقدم و ترقی کے دعویدار ہیں۔ اپنے بڑے بڑے لوگوں کو جنہوں نے اپنی تحریروں اور تفسیروں سے اپنے مملکت اور زبان سے ملک و قوم کو ہمیشہ نفع پہنچایا، صرف ایک نہایت ذلیل و گنہگار

قبر میں دفن کر دیتے ہیں۔

ذرا آپ بھی میرے ساتھ اپنی نظر صفحات تاریخ کی طرف پھیریں اور پڑھ کر روئیں کہ :

شیخ ناصیف یازجی نے اپنی نفیس تالیفات سے عربی علم ادب کی دنیا کو کس قدر مالامال بنانے کے بعد وفات پائی، وہ مؤلفات اگر یہ ناصیف کسی دوسری زبان میں لکھتا تو اس کو دیوتا مان لیتے اور اُس کی پرستش کرتے۔ آپ ہی بتائیے کہ اُس کے لیے ہم نے کیا کیا۔ اور اُس کی یادگار تازہ رکھنے کے لیے کون سی تصویر لگائی۔ کہاں اُس کا بت نصب کیا؟ ...!

ادب اپنے ذرات دماغی گھلا دینے کے بعد ابھی ملک فنا ہوا وہ قید کیا گیا۔ وہ خدمت ملک و وطن کے سبب ذلیل کیا گیا۔ آپ ہی بتائیے کہ ہم نے اُس کے لیے کیا کیا اور کون سی اُس کی یادگار قائم کی؟

حجیب کی سانسین فنا ہو گئیں۔ اُس کے راجانِ شباب پر اُس کی ہمارے پر۔ ہزار افسوس ہے۔ قلم اُس کے ہاتھ میں تھا، اور آئنا اُس کی آنکھوں میں ڈنڈا بار ہے تھے، وہ نہایت تنگ دستی کی حالت میں مرا ہے۔ اُس کا ملک اُس پر نہیں رویا۔ وہ خود اپنی حالت پر روتا تھا کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ ہم نے اُس کے لیے کیا کیا اور کون سی اُس کی یادگار قائم کی؟

شیخ ابراہیم اس حیاتِ فانیہ کو چھوڑ کر دنیا سے سدھارے عربی زبان کی قدیم عزت و دیرینہ عظمت کو دوبارہ زندہ کرنے کے بعد اپنے ضیاءِ علم اور

نور بیان سے انسانی عقلوں کو روشن بلکہ خیرہ کرنے کے بعد، مگر افسوس !
 کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ ہم نے اون کے لیے کیا کیا اور کون سی اون کی یادگار قائم کی ہے؟
 یہ سب کے سب مر چکے، اور اپنے ملک و وطن پر قربان و شہید ہو گئے
 نہ صرف یہ بلکہ ان کے سوا اور بہت سے، انشا پر داز و اہل قلم، جن کی زندگی
 میں ہم بہت کچھ قدر و منزلت کرتے تھے، اور بہت لمبے چوڑے بے نتیجہ و بے مفید
 القاب سے اون کے اوصاف کو سرسہتے تھے۔ لیکن اب آپ ہی بتائیے کہ
 ہم نے اون کے لیے کیا کیا اور کون سی اون کی یادگار قائم کی ہے؟ ...

بے شک ہم نے اون کی تالیفات کو جمع کیا اور چھپوایا ... مگر یہ کچھ نہیں !
 ہم نے اون کا سوگ منایا، اور ماتم کیا ... یہ کچھ نہیں ! اخبارات نے اون کے
 اوصاف میں کالم کے کالم سیاہ کر ڈالے، ورق کے ورق رنگ ڈالے، اون کے
 نوحے اور مرثیے نظم کیے ... یہ کچھ نہیں۔

ان باتوں سے کچھ فائدہ نہیں اور نہ اصل مقصد حاصل ہوتا ہے کیونکہ
 جو کتابیں طبع کی گئیں اور جو مرثیے تصنیف کیے گئے، اون کو تعلیم یافتہ طبقے کے
 سوا کوئی نہیں پڑھتا۔ لیکن قوم کے وہ فرزند جن کی عقلی ظلمتوں کو دور کرنے
 اور روشن بنانے کے لیے ان فاضل دیہوں نے اپنی حسین زندگی خاک
 میں ملا دی، ان باتوں کو کچھ سمجھتے ہیں اور نہ قدر کرتے۔

انھیں کیا خبر کہ فاضل کب بھی کیوں قید کیا گیا۔ اور اس نے ان کے لیے

کیسی کسی قید کی مصیبتیں اٹھائیں۔ اونھیں کیا خبر کہ ابراہیم نجیب حداد محض اون کے لیے فقیر مرا، اوس کے پاس اتنا بھی نہ تھا کہ اوسی کو کفایت کرتا، اونھیں کیا معلوم کہ نصرغیر نے اپنی ہستی کو اون کے لیے کیونکر فنا کر دیا، اب مہین لازم ہے کہ شرکون اور راستون پر اون کے مجسے نصب کریں تاکہ جب قوم کا کوئی نر زندا و دھر سے گذرے اور دیکھے گا کہ اونھیں مین کا ایک شخص کھڑا ہے اور فلم ہاتھ مین لیے ہوئے ہے، تو اوس کی تاریخ زندگی بوجھے گا پھر جب اُسے معلوم ہوگا کہ ہماری ہی خدمات کی راہ مین یہ شہید ہوا ہے تو وہ اوس کے اصلی اعزاز اور اوس کی یاد تازہ رکھنے اور احیاء ذکر کی کوشش کریگا۔

اے قوم! اپنے مشاہیر کے بت نصب کر در نہ ہی بہتر ہے کہ یہ بھی خیال نہ کر کہ اون مین سے کون کس حال مین مر رہا ہے۔ بلکہ خدمت وطن کا جو شعلہ اون کے دل مین بھڑک رہا ہے اُسے بھی بجھادے اور خود کوئی ایسا کام اختیار کر جس سے اونھیں بھی نفع پونجے۔

لیکن بھیراے قلم! اور لکھنے مین جلدی نہ کروہ ملک جو خود آج فلاکت کی حالت مین ہے وہ اون پر زیادہ روپیہ صرف نہیں کر سکتا۔ وہ ایک دوڑ پیتے بچے کے مانند ہے۔ اوس کی روزی مارنا خود حرام ہے۔ تاکہ وہ مرنے جا لیکن ارباب دولت کی نگاہ توجہ اس ضروری کام کی طرف پھیر اور اون سے گئے کہ: مشاہیر قوم کے بت نصب کرنا یہی قومون کو تر تری دینے اوس کے

جذبات کو قوی بنانے، اوس کے دلی جوصلے بڑھانے، اوس کے مردہ
 حسیات کو زندہ کرنے، کے اہم ذرائع ہیں۔ کیونکہ اچھی چیز کی تقلید ہر انسان
 پر واجب ہے۔ یہ کہہ کر اون کے جذبات کو ایک ایسی انجمن بنانے کے لیے
 جنبش میں لاجو چندے جمع کرے۔ اور جو ”شہدائے ادب“ گذر چکے ہیں،
 اون کی یادگار اور تاریخی روایات کو زندہ رکھنے کے لیے اون کے مجسمے قائم
 کرنا اپنا نصب العین قرار دے۔

اور اگر اسے قلم کوئی تیرے پاس آکر تجھے تیرے شریفانہ مطالبے کے
 پامال و ذلیل کیے جانے کی خبر دے تو تو فوراً ٹوٹ جا اور یہ کہہ دے کہ ایسے
 لکھنے اور لکھنے والے کو ہزار سلام

نوٹ : فاضل ندرہ نے جس درو و حزن کے ساتھ ایشیائی مصنفین و
 شاہیر کی حالت زار کا خاکہ کھینچا ہے حقیقت میں وہ خون رولانے والا
 اور دراصل بہت ٹھیک ہے۔ اس میں شک نہیں کہ نامور اسلاف کو عوام
 سے روشناس کرنے اور اون کی یادگار قائم رکھنے کا جو طریقہ موصوف نے
 تمثیل کے پیرایہ میں بتایا ہے اس سے بہتر کوئی صورت نہیں۔ لیکن اسلامی
 نقطہ نظر سے اگر اس ستم کی اسلاف پرستی، آئندہ کے لیے بت پرستی کی کڑی دلیل
 سمجھی جائے تو کچھ تعجب و حیرت نہیں! خاکسار، محترم

نالہائے غم

میں بستر سے اڑٹھا اور اپنے گھٹنے پڑھنے کے کمرے میں بیٹھ کر لکھنے پڑھنے میں مشغول ہو گیا۔

اس سے پہلے کہ سوچ کی نورانی شعاعوں کو دیکھوں اور ملکہ سحر کو جگاؤں خوش نوا چڑیوں کی آواز بن سنوں، میں اپنی کتاب کی طرف متوجہ ہو گیا، اوس استاد کی طرف جس کی نسبت ایک فاضل انگریز کہتا ہے کہ: ”وہ ہم کو بغیر کسی معاوضہ کے علم سکھاتی ہے۔ جب ہم چاہتے ہیں اوس کے پاس گئے ہیں اوس کو جیتا جاگتا پاتے ہیں۔ اور جوابات معلوم کرنا ہوتی ہے اوس سے دریافت کرنے ہیں، جو کچھ اوس کے علم میں ہوتا ہے وہ بتاتی ہے، وہ نہ ہم سے بخل کرتی اور نہ کچھ چھپاتی ہے۔“

میں نے کتاب کے پاس پہنچ کر اُسے جگایا، اوس نے اپنا دل کھول کر میرے سامنے رکھ دیا۔ اور مجھ کو ایسی ایسی نصیحتیں کرنا شروع کیں جن کو میں کبھی نہیں بھول سکتا

وہ وہ نمونے میرے سامنے پیش کیے کہ انھوں نے میرے دل میں شدید تاثیر بھر دی۔ اور اپنے بد نصیب وطن کی حالتِ زار پر مجھے دیر تک ملالایا۔

بھائی! میں نے ترقی یافتہ اور متمدن ممالک کے حالات پڑھے اور یہ پڑھا کہ ”ارباب اصلاح“ کے ساتھ کس احترام کا برتاؤ کیا جاتا ہے۔ میں نے اہل قلم کے حالات پڑھے کہ وہ ترقی یافتہ قوموں میں کیسی عزت و وقار پاتے ہیں، جس کے وہ حقیقتہً مستحق بھی ہوتے ہیں۔ اس کے بعد میں نے اپنی اور اُن کی حالت کا موازنہ کیا۔

ہیان انشا پر داڑوں پر طرح طرح سے ظلم کیے جاتے ہیں، طرح طرح سے اُن کی ذلت کی جاتی ہے اور وہ ان آسمان عزت پر چڑھ لے جاتے ہیں اور اُن کا پورا پورا احترام کیا جاتا ہے۔

ہیان ایک فاضل ادیب اپنی تمام عمر لکھنے اور ادراق سیاہ کرنے میں فنا کر دیتا ہے مگر اُس کے پاس اتنا بھی نہیں ہوتا کہ اپنا ہی پیسہ بھر سکے۔ وہ ان ایک اہل قلم میں سے ہے جس نے ساری عمر میں ایک کتاب یا ایک ناول کے سوا اور کچھ تالیف نہیں کیا مگر اتنی دولت چھوڑا ہے جو ہزاروں روپے کی تعداد کو پہنچتی ہے۔ ہیان علما و برہمن کے ظلم کی بدولت

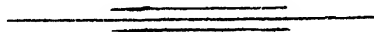
۱۸۵۹ء میں نے پیرس کے ایک اخبار میں پڑھنا ہے کہ جریدہ مصوفات (The Revue des Deux Mondes) کے مالک نے بلبل شعراء فرانس (Poets of France) کو دس لاکھ فرانک دیے کہ اپنا ناول چاہے لکھیں، اُس کے اخبار کے نامور میں چھاپنے کی اجازت دیدے۔ خدا کی شان ہے!

عیب رکھا جاتا ہے۔ اور وہ ان کے آگے سر جھکائے جاتے ہیں اور ان کے بت نصب کیے جاتے ہیں۔

جب میں نے یہ مقابلہ کیا تو میری آنکھوں سے اپنی قوم اور اپنے وطنی بھائیوں کی حالت پر بے اختیار آنسوؤں و ہمدردی کے آنسو گرنے لگے کیونکہ جو قوم اپنے علماء کو ان کی زندگی ہی میں دفن کر دیتی ہو، وہ کس قدر مردہ ہے، اور وہ امت معصومہ جو اپنے نامور رہنماؤں کو وہ وقار و اعتبار نہ دیتی ہو جس کے وہ سزاوار ہیں وہ کس قدر گناہ و ذلیل امت ہے۔

کیا اچھا ہوتا اگر ہمارے وطن میں یا ہماری سوسائٹی کے معزز اراکان میں ایک ایسی انجمن بنائی جاتی جو ان ارباب قلم کی یاد زندہ رکھنے کو ان کی یادگار میں قائم کرنے کو مستعد ہوتی، اور جو زندہ ہیں انہیں ان کی محنتوں کی مناسب داد دیتی !

مگر آدھ کون سنتا ہے؟ اور کون مانتا ہے!! ...



ایک چٹان پر

وہاں، جہاں میں اپنے دوست کے ساتھ جا کر بیٹھا کرتا تھا، ایک دن شام کو بیٹھا ہوا اپنی طبیعت سے کچھ چپکے چپکے بانیں اور شکوہ و شکایات کر رہا تھا کہ ملکہ فلک نے زمین کی طرف الوداعی نظریں ڈالنا شروع کیں مین بیٹھا ہوا تھا اور میرے ہاتھ میں ایک کتاب تھی جس کا موضوع تھا ”مشرقی عورت“ یعنی وہ پاکیزہ شکوفہ جسے یہودہ عادات و رسوم کی بادیسوم نے پامال کر کے انتہائی پستی میں ڈال رکھا ہے۔ اور میری فکر عالم خیال کا طواف کر رہی تھی میرا دل سو سائیلی اور اس کے منظم سے کرمہ رہا تھا۔

رات نے اپنا پردہ ظلمت چھوڑنا شروع کیا اور تاریکی تیزی سے بڑھنے لگی مین برابر دریا سے اونکار میں دھواں رہا۔ درختوں کی سنسناہٹ اور چرمیوں کی چکار کے سوا کچھ نہیں سنائی دیتا تھا، جنھیں مین اپنا مونس تنہائی بنانے اور اپنا غم مٹانے کے لیے پسند کرتا تھا۔ مگر یہ سب کچھ بیکار تھا کیونکہ مین بیزار تھا، بیان تک کہ موت سے بھی۔

مین اسی حالت میں تھا، یہ دنیا، اور ایک انسان کا اپنے بھائی پر ظلم کرنا اس وقت میرا موضوع فکر و تامل تھا کہ اتنے مین میرے کانوں میں

آہستہ آہستہ قدموں کی آواز محسوس ہوئی۔ اور اس کے بعد ہی ٹھنڈی ٹھنڈی سانسوں کی بھی جو دل کی گہرائیوں سے نکل رہی تھیں۔ مین ڈرا اور چچکا دم سادہ کے بیٹھ رہا تاکہ پورے طور پر یہ آواز محسوس ہو۔ جو برابر سیر کاٹوں میں گونج رہی ہے، پھر مین دو قدم آگے بڑھا تو دیکھا کہ ایک نوجوان دوشیزہ بہار شباب میں ہے مگر زمانہ کی گردشوں نے اس کی گزلی پیشانی پر پریشان بالوں سے تنگ دستی و بے ہمتی کی چند سطریں لکھ دی ہیں اور مفلسی نے اس کے جسم کو ایسے کپڑے پھار کھے ہیں جو غریب کورات کی سردی سے بھی نہیں بچا سکتے۔

مین نے اُسے اس حالت میں دیکھا کہ وہ زار زار رو رہی ہے تو مین نے بھی اس کی ہمدردی میں چند آنسو بہائے۔ اور اس کو دیکھ کر اپنے اختیار میں نہ رہا آخر اس کے درد سے متاثر ہو کر مین نے پوچھا کہ: ”تم کون ہو اے بی بی! اور یہ کیا حالت بنائی ہے؟ اور اس گھٹا ٹوپ تاریکی میں کھان جانا چاہتی ہو؟“

یہ آواز سن کر وہ نازک مخلوق وہ لطیف ترین ہستی جھپک گئی۔ لیکن تھوڑی ہی دیر میں سیرے کلام کا جو ایک نغمہ پر غم سے سبز تھا انداز سمجھ کر اوس نے مجھے یہ جواب دیا:

”مین ایک گناہوں کی رہنے والی لڑکی ہوں۔ مین نے پر فضا سیدانوں

اور حسین کلیون میں نشوونما پائی ہے۔ بھولے بھالے بھیرون اور
اونٹوں میں سیری پرورش ہوئی ہے۔

سیری مان نے مجھے ایسے وقت چھوڑا جب کہ مین تین سال کی تھی
اور میرے بھائیوں نے کھانے کمانے کے لیے امریکن ملکوں کی طرف
پونہ چار دیلین وہاں اکیلی رہتی تھی ایک بوڑھے باپ اور ایک پڑوسی کے
بیٹے کے سوانہ وہاں کوئی میرا جاننے والا تھا نہ مونس تنہائی۔ یہ لڑکھا سیوہ
چلنے کے عوض سیری کچھ امداد کرتا تھا۔ لیکن افسوس ہے میں ابھی اپنی
زندگی کے پورے دس سال بھی پورے نہ کرنے پائی تھی کہ اچانک
ایک اطلاع ملی جو میرے دل میں تیر کی طرح پیوست ہو گئی۔ اور وہ یہ
تھی: پردہ کرنا اور گائون چھوڑ دینا

لیکن ہاے اللہ!... میں کیونکر اون خوبصورت مناظر کی جدائی گوارا
کروں جن میں میں نے اپنی زندگی کو دکھایا ہے، وہ سرزمین
جس کے لطیف و شفاف آسمان کے سایہ میں میں نے اپنے دوست اور
اپنے پڑوسی کے ساتھ زمانہ طفلی گزارا؟۔ اب کیونکر میں ایک کالاجیٹر
نقاب کا اپنے منہ پر ڈالوں؟... کیونکر میں اسے پیارے! تجھے چھوڑ دوں
اور کیونکر تجھ سے جدا ہو جاؤں حالانکہ تو نے کوئی قصور نہیں کیا؟...
یا اللہ یہ بھی کوئی انصاف ہے جو اس پاک دل کے ساتھ کیا جا رہا ہے

اور اوس کو صدمہ فراق دیا جا رہا ہے؟ یہ کبھی نہ ہو گا چاہے اوس کے لیے مجھ کو زندگی سے ہاتھ دھونا اور موت سے دو چار ہونا پڑے۔۔۔ مجھے میرے باپ نے پردے میں بیٹھنے اور گائون چھوڑنے پر کیوں مجبور کیا، صرف اس لیے کہ وہ میری محبت کو ٹاڑ گئے ہیں۔۔۔ وہ نہیں جانتے کہ میں کسی سے محبت رکھوں۔ مگر میں نے افسوس کے ساتھ اُن کے اس حکم کی خلاف ورزی کی تو انھوں نے مجھ کو گھر سے نکال دیا اور بہت بُرا بھلا کہا اور برابر میرے پیچھے پڑے رہے آخر میرے حق میں یہی فیصلہ کیا۔

اس وقت سے میں نے اپنے گھر بار کو نہایت حسرت و افسوس کے ساتھ چھوڑا اور جنگل کی طرف منہ موڑا۔ نہ میں لذت اندوز راحۂ تھی نہ میری آنکھیں آشنا سے خوابِ جب زیادہ جاگنے سے آنکھیں تھک کر خستہ ہو گئیں تو میری یہ حالت ہو گئی کہ سوا ڈراؤنی صورتوں کے مجھ کو کچھ نظر نہیں آتا تھا اور دُشست میرا دل ہر وقت دہلتا اور لرزتا رہتا تھا۔

میرے باپ نے اپنی چھری سیان سے نکال لی اور میں ان کے قدموں کے آگے سر جھکائے کھڑی ہو گئیں اپنے آنسوؤں سے ترکرتی اور معافی مانگتی تھی مگر وہ ذرا نہ پیچھے بلکہ برابر میرا دل چھری سے زخمی کرتے رہے کیونکہ میں نے مذہب کے مقابلے میں اُن کے بنائے ہوئے قانون کی خلاف ورزی کی تھی میرے باپ نے میرا جاننا گوارا کیا، بجائے اس کے کہ میں کفر کروں، باپ کی

اپنے ساتھ محبت اور انکار پردہ سے ۱۰۰ اور میرا محبوب میری تربت پر آنسو بہاتا اور
دل کی گہرائیوں سے میرا تم کرتا ہو۔ پھر جب وہ کوئی جواب نہ سنے تو خود بھی
مایوس ہو جائے اور زندگی سے بیزار ہو کر خودکشی کرے، امان آہ میری امان
خدائی عدالت کے سامنے فریاد کرتی ہوں اور انتقام چاہتی ہوں۔ میری چھٹی
بہن مجھ سے پوچھتی ہو اور کہتی ہو: مجبور ہو تم ہاے میری بہن اس دشتِ نم
کھان ہو؟

آہ کس قدر تلخ ہو تم اے مور تو! ..

یہ گفتگو جزا راز روئے اور پے بہ پے سسکیاں لینے سے ٹکڑے ٹکڑے
ہو ہو کر ادا ہو رہی تھی پوری نہ ہونے پائی تھی کہ ایک طرف کچھ آہٹ سی سننے
میں آئی۔ وہ بد نصیب لڑکی یہ سمجھی کہ اس کا باپا سے سزا دینے آیا ہے اس نے
میری طرف کچھ اس انداز سے دیکھا کہ اس کی نظر میرے دل میں اتر گئی۔ اور
وہ پہاڑی کی طرف بھاگی مگر میں نہیں جانتا کہ کدھر گئی۔

اس وقت مجھے ایسا معلوم ہوا کہ گویا اس دردناک منظر کو دیکھ کر کثرتِ رنج
والم سے میری روح بدن سے نکلا چاہتی ہے، کیونکہ یہ تباہ کن جرم میری آنکھوں
کے سامنے ایک پیکرِ جسم بن کر کھڑا تھا وہ جرم جو اکثر ان باپ اپنی اولاد کے
مقابلے میں کرتے ہیں کہ اُن کو محبت سے روکتے ہیں، اُن کے جذبات کا نکلا
گھونٹ دیتے ہیں۔ گویا محبت بھی کبھی معاف نہ ہونے والا گناہ ہے۔

آخر اس بے کس لڑکی نے ایسا کیا گناہ کیا ہے جب کہ یہ محبت کرنے والا دل او سے قدرت کی طرف سے ہی عطا کیا گیا ہے جس کی سزا میں اس کے ساتھ یہ وحشیانہ برتاؤ کیا جاتا ہے۔ ؟

اور یہ نازک مخلوق آخر ایسے کون سے گناہ کی مرتکب ہوئی جو اس کا منہ لوگوں کی نظروں سے چھپایا جاتا ہے ؟ دنیاوی کاموں میں حسد کی مخالفت کیوں کی جاتی ہے۔ آخر وہ غریب عورت بھی تو ایک انسان ہی ہے کیا یہ حرام نہیں ہے کہ جب وہ ظلم سے پناہ مانگتی اور رحم و کرم کے لیے التجا کرتی ہے ؟ تو اس پر اور ظلم کیا جاتا ہے۔ کیا ایک پاکیزہ کلی کو بند رکھنا اور جس پردے کو اللہ نے حلال نہیں فرمایا ہے اس کی آڑ کر کے روشنی و نور کو اس پاکیزہ کلی تک نہ پہنچنے دینا کیا ستم نہیں ہے ؟

کماش مجھے معلوم ہوتا کہ کس قدر لڑکیاں ہیں جو اپنے مان باپ کے جوہر و ستم کی چھریوں سے حلال ہوئی ہیں۔ کیونکہ مان باپ چاہتے ہیں کہ ان لڑکیوں کا ایسے مردوں سے رشتہ کر دیں جنہیں وہ پسند نہیں کرتیں اور نہ ان سے کوئی محبت و لطف رکھتی ہیں۔ اور کتنے ایسے پاک باطن صاف دل ہیں جو محبت سے روک کر مٹا دیے گئے ؟ اور کتنی ایسی تازہ خوش ناکلیاں ہیں جن کو اس سیاہ رو پر دے نے کھلا دیا۔ ان کی نازکی و دل کشی کو خاک میں ملا دیا۔ اور کتنی تروتازہ شاخیں تھیں جن کو بیہودہ

مسم درواج کی پابندیوں نے توڑ ٹوڑ ڈالا۔ امدان کی سرسبزی و شادابی کو مٹا دیا

اے بزرگ مان باپو! اپنی اولاد کو پاک محبت کی تعلیم دو۔ کیونکہ یہی ترقی و فلاح کی بنیاد ہے۔ اور اگر یہ نہ ہو تو پھر نہ اتفاق کوئی چیز ہے نہ اتحاد اور اے اہل مشرق غلامی و کنیزی سے اپنی عورتوں کو آزادی دو کیونکہ جو پردہ بھاری عورتوں کے چہروں پر پڑا ہے یہ بھاری ترقی و فلاح کی راہ میں ایک دیوار حائل ہے۔

رحم کر اے پروردگار تیرے ہی رحم کا آسرا کیا ہم انھیں باطل پرستوں میں پڑے رہیں گے، کیا ہم ایسے ہی فاسد اوہام و اعتقاد میں پھنسے رہیں گے کہ عورت مرد کے برابر نہیں ہو سکتی۔ اور مرد عورت کا خود مختار حکمران ہے؟ یا رب ہمیں تو نے ایسے دل کیوں دیے جو محبت آشنا ہیں۔ اور تو نے ہمیں ایسا انسان کیوں بنایا جو اس بنیاد محبت کو ڈھائے دیتے ہیں جسے تجھے اپنے ہاتھ سے رکھا تھا۔

اپنی رحمت کے طفیل اے پروردگار! اس عورت پر رحم فرما جسے تو نے اپنے مبارک ہاتھوں سے پیدا کیا ہے۔ اس لیے کہ وہ مظلوم ہے۔ یہ چارویوار کا پردہ، یہ حجاب جو اس کے منہ پر ڈالا جاتا ہے اس کے لیے ظلم ہے۔ اور

یارب! تو اپنی مخلوق کے دل میں عدل و انصاف کا جذبہ پیدا کرتا کہ وہ یہ جان سکے کہ عورت کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کرنا ہر انسان کا فرض اور اس کو پردے میں رکھنا بڑا ظلم ہے؟

* * *

میں ابھی اسی دریائے غور و فکر میں ڈوبا ہوا تھا، اور جو کتاب ہاتھ میں لیے ہوئے تھا، اسے آنسوؤں نے بالکل بھگو دیا تھا کہ اتنے میں مرغِ بحر نے صبحِ ثانیہ کی اذان دی، تب میں اپنی غفلت سے چونک کر شہر کی طرف پلٹا اور بار بار یہ کہتا جاتا تھا:

اے فرزدانِ مشرق! اگر تم نے اپنی عورت کو ان بھاری بھاری قیدوں سے آزاد ہی نہ دی جو اس کی گردن کو توڑے ڈالتی ہیں تو جس عزت کی زندگی کے آج تم امیدوار ہو وہ کبھی نہ ملے گی بلکہ ہمیشہ عورت اسی موجودِ حالت پر رہے گی،

کلمہ درجانی

معزز ناظرین،

ہم اس سفر کو ختم کرتے ہیں۔ اور جانتے ہیں کہ اس نے آپ کو بہت
تھکا دیا ہے۔ اب مناسب ہے کہ تھوڑی دیر آرام لیں۔ اور اس سے پہلے
کہ آپ سے جدا ہوں اپنا ہاتھ بڑھائیے کہ میں آپ سے برادرانہ مصافحہ
کروں۔ نیز تھوڑی دیر کے لیے کان دھر کے ایک کلمہ اور سن لیجئے جو زادِ خیر
کے طور پر آپ کی خدمت میں پیش کرنا چاہتا ہوں، یہ ناسک فشر کیے
”ضخایا“ کی نسبت لکھا ہے۔ اور یہ ایک بہترین کلمہ ہے جس پر میں کتاب کو
ختم کرتا ہوں۔ معزز موصوف فرماتے ہیں :

بھائی نذرہ

تھوڑی کتاب میں ایک روح ہے عالی، جو اپنے جمالِ ظاہری سے
فائق تر جمالِ معنوی رکھتی ہے۔ وہ دن قریب ہیں کہ زمانہ تم کو اوس
راز درون کے اظہار کی توفیق نیک دے گا جو تمہارے اندر کمون ہے وہ
کیا ہے تمہارے قابلِ قدر اور جابر جذبات کا اظہار۔

تمہارا دوست
امین رحمانی

بیروت ۱۱۔ ایار ۱۳۹۱ھ

ایک ناول

از جناب سید محمد یوسف قیصر سابق ایڈیٹر رسالہ الحجاب بھوپال

چارے نحوی !

میں نے ترجمہ دیکھا۔ لطافت بیان نے حالات کو اس قدر متحرک کر دیا ہے کہ اس کا ہر ایک لفظ اپنی آنکھوں میں آنسوؤں کی دنیا لیے ہوئے معلوم ہوتا ہے۔ یہ ایک خاموش فریاد ہے جو دل و دماغ کو اپنی طرف متوجہ کیے بغیر نہیں رہتی جو آنسو فاضل نذر نے سبزہ زار مصر کی پڑمردہ کلیوں پر بھائے ہیں۔ جناب کے درد مند قلم نے ان کو چاری بریاد شدہ تہذیب کے ماتم میں شریک کیا۔ اور اس لحاظ سے کہ یہ دونوں ملک اپنے اعتقادات میں یکساں ہیں، افسوس ہوتا اگر ان آنسوؤں سے ہمارے آستین و دامن محروم رہتے۔ گو غم غم کوئل کے نالہ سے بے اختیار نے مشرق کی تہذیب کو خف سی جنبش دی ہے اور اس سے معاشرت میں نہایت ہی سبک دوش پیدا ہو گئی ہے۔ مگر جب چہڑا آنکھوں سے آنسو ابل پڑتے ہیں تو رعایتِ ظرفِ آستین نہ رہتی۔ جناب کے شریفانہ جذبات نے عالم انسانی کے اس نازک طبقہ کے ساتھ جو احسان کیا ہے اور اس ترجمہ کے ذریعہ سے اصلاح معاشرت کی تحریک جس دریاغیر پورایہ میں کی ہے کاش وہ قبول کی جائے۔

انسانیت ایک تاریک خواب گاہ میں سوئی ہے۔ اس کو بیدار کرنے کے لیے خدا کرے آپ کے مرصع کاؤ آفتاب کا قلم کی شبنمی شمعیں کامیاب ہوں،
مخلص قیصر

ایک رائے

از حضرت عزیز لکھنوی

صدیقی محوی صدیقی

میں نے اصل کتاب سخایا البشریہ کا مطالعہ بھی کیا اور یہ ترجمہ بھی دیکھا۔ ترجمہ کی دلاویزی مصنف کی عبارت سے دوہن بدوش ہے فاضل ندرہ نے اگر عرب کے تلال و جبال کی چوٹیاں مشرقی زرتار شاعون سے گوندھیں تو ادب مترجم نے لیسائے مصری کی زلف شیرنگ اس انداز سے سنواری کہ نگارستان ہند آئینہ حیرت زدہ بن گیا۔

اگر بیبہ ہاشم نے مقدمہ کی ہر سطر میں جو ہر انا کے موتی پر دے تو قریحہ محوی نے ترجمے میں ادب کا جواہر نگار قصر تیار کر دیا۔ مولف نے جو آئینہ ہائے مترجم کی شرف نگاہی نے موتی بنا کر دکھائے۔ اس کتاب کے ترجمے کا حق ادا کرنا دشوار نہیں تو آسان بھی نہ تھا تنہا سے قلم بدائع نگار نے اس کی اہمیت کا فرض اس طرح ادا کیا کہ زبان اُردو ہمیشہ اس اضافے پر ناز کرے گی اور بھاری ادبیت کا زیور اوس کے حسن کو چمکا رہا ہے گا۔ حسن میں جامہ زیبی ہوتی ہے بشرطیکہ ایک سلیقہ شعار مشاطہ اوس کو ہر ہفت کرے تم نے اس حسین مصری کا

بہا س اتنا کر نازنیاں ہند کا جاہ اس خوبصورتی سے بیچا یا کہ
 دنیاے ادب میں سب محوی ہو گئے تھیں ناز کی تائی رہا بھی اور نین
 بھی رہا۔ پتھارے ہاتھ جو منے کے قابل اور بھارا دل و دماغ درخشاں
 ہزار آئینہ ہیں۔

عزیز
 (لکھنؤ)

ایک رائے

از جناب نواز فتحپوری

عصر حاضر میں، دنیا کے تمام سنجیدہ و جذذب ممالک کی یہ خصوصیت الگ نظر آئے گی کہ ان کی تمام مدنی و اقتصادی، سیاسی و علمی ترقیوں کے ساتھ ساتھ ان کا لٹریچر بھی مدارج ارتقاء طے کرتا جا رہا ہے، یہاں تک کہ اگر کوئی چاہے تو کہہ سکتا ہے کہ صرف لٹریچر کی ترقی ان کے تمام داعیات تہذیب و مدنیت کی تکمیل کر رہی ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے جس پر بحث کرنے کا یہ محل نہیں، اور اگر باب فہم و نظر اس سے باخبر ہیں۔

ایران و استنبول، مصر و عرب نے باوجود اس کے کہ دنیا کے بیدار ممالک میں ان کا شمار نہیں کیا جاتا، اس رمز کو سمجھا اور انھوں نے اپنے لٹریچر کی طرف سے وہ بے اعتنائی نہیں کی جو ہم اپنی زبان سے کر رہے ہیں۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ اب ایران کی فارسی، مصر کی عربی اور استنبول کی ترکی، اپنی جدت تخیل، نوائے تراکیب، تنوع بیان اور وضع اصطلاحات کے لحاظ سے مالا مال ہے۔ اس کی وجہ صرف یہی ہے کہ انھوں نے دوسری زبانوں سے عمدہ باتیں اخذ کرنے میں خصیبت سے کام نہیں لیا اور وہ ان کے ادیب اب تک اسی اصول پر کار بند ہیں۔

اسی کے ساتھ جب ہم اپنی زبان کو دیکھتے ہیں تو کس قدر افسوس ہوتا ہے کہ وہ ہنوز ارتقاء کے اسی دورِ اولین میں ہے اور ہمارا جمود یہ بھی گوارا نہیں کرتا کہ اس میں کسی اضافہ کو نظرِ احسان سے دیکھیں۔ مین معلوم ہے کہ اس خیال کے لوگ کس نظر سے دیکھے جاتے ہیں اور انہیں کتنا دکھ برداشت کرنا پڑتا ہے۔ اس لیے لائقِ ہنر و تہریک و تحسین ہے، ہمارے عزیز دوست مولوی محمد حسین صاحب محوی کی یہ سعی جمیل کہ انھوں نے اس ترجمہ کو پیش کر کے وہ کام کیا جس کی اس وقت زبان کو سخت ضرورت ہے۔

ضحیٰ الالبشریہ موجودہ عربی لٹریچر کی ایک پاکیزہ مثال ہے۔ مین نے اصل کتاب کو بھی دیکھا ہے اور اس کے ترجمے کو بھی، اس لیے مین سمجھ سکتا ہوں کہ حضرت محوی نے کس قدر سلامت ذوق اور دقت نظر سے کام لیا ہے۔ قوم کا فرض ہے کہ وہ محوی صاحب کی محنت کی داد دے تاکہ وہ اپنے ثمراتِ مساعی کو آئندہ بھی ملک کے سامنے پیش کرنے کی جرأت کر سکیں۔

اس کتاب کے موضوع سے بحث کرنا نزاکتِ ادب کے خلاف ہے، کیونکہ لطف اسی میں ہے کہ اس کا سمجھنا اور پھر موضوع کے لحاظ سے طریقِ ادا اور اسلوبِ بیان سے لطف اندوز ہونا صرف ذہین سامع اور ذوقِ مآثر پر چھوڑ دیا جائے۔

عرض مسترحم

فاضلِ ندوۃِ ملک شام کا ایک بہترین انشا پرداز ہے، اس سے زیادہ مجھے اوس کی نسبت کتنا کہنیں کہ مشرقی فلسفہ فارس، این ریحانی حضرت فقیر و عزیز، اور مولانا سے نبیاز نے جو کچھ اوس کے قلم اور جذبات پر اظہارِ خیال کیا ہے اُسے کافی سمجھیے،

اوس کی کتاب ”ضحایا البشریہ“ کی نسبت بھی کچھ لکھنا کہنیں کہ اوس کا ترجمہ آپ کی نظر کے سامنے ہے۔

کہنا یہ ہے کہ افسوس! جو لطافت بیان اور شیرینی زبان اصل میں ہے وہ بات ترجمہ میں نہ آسکی، لیکن ندرہ کی طرزِ نگارش، مصلحانہ خیالات، جذباتِ عالیہ، تخیلِ لطیف نے کچھ ایسا متوالا بنایا کہ میری تمام ضرورتوں، فکروں، مصروفیتوں اور پریشانیوں پر ترجمہ کی کوشش غالباً کمائی جاوے گی، میں اس روحِ طاہرہ کو پیکرِ اردو میں پیش کر سکا۔

عالی خیال صنفِ گوسہی ہیں، اور اون کے خیالات میں بہت کچھ شامی عیسائیوں کی طرزِ معاشرت، عادات و رسوم کی جھلک جلوہ گر ہے، مگر ہمیں دیکھنا یہ نہیں کہ وہ کون ہیں، دیکھنا یہ ہے کہ وہ کتنے کیا ہیں؟

جو شکوے اونہیں اپنے شامی و مصری بھائیوں سے ہیں وہی قریب

ہمیں بھی اپنے وطن عزیز سے ہیں۔ لہذا اوس نعمۂ شامی کو ہندی لے
مین ادا کرنا کچھ بے جا نہ ہوگا۔

”صغایا“ وہ چیز ہے جس نے مجھے دنوں بسترِ غم پر چپکے چپکے رُلا یا ہے، اور
کچھ دل ہی جانتا ہے کہ کتنی راتوں اپنی حالت زار پر تڑپایا ہے۔

بلا سے ترجمہ کیا ہی ہو، تاہم جن جراحاتِ نفسیوں کے لیے مین نے یہ
نمک دان تیار کیا ہے امید ہے کہ وہ اس سامانِ اضطراب کو ذوق و شوق
سے لیں گے اور میری ہی طرح تڑپیں گے کہ اس سعیِ اولین کی یہی داو ہے۔
البتہ جن کے سینوں میں دل نہیں سنگ پارے ہیں اُن سے کچھ بحث
نہیں کہ وہ ہمارے زخمِ جگر پر مہنیں یا تیرِ ملامت کا نشانہ بنائیں !

چونکہ میری مخاطب صحیح، وہی درد مند ہستیاں ہیں جو سینے میں دل لہو
دل میں دردِ وطن رکھتی ہیں۔ اور انھیں سے کچھ اسیرِ حوصلہ افزائی بھی ہے
لہذا میں اس ناچیز ”ریزہ الماس“ کو انھیں کے نام پر معنون کرتا ہوں۔
اور ”شاد م از زندگی خویش کہ کارے کردم“

ضروری نوٹ

”شہدائے ادب“ میں جن فرانس اور شام و عرب کے شاہیر اہل قلم کا تذکرہ ہے اُن سے اردو کی دنیا ناواقف ہے لہذا مناسب معلوم ہوا کہ اُن کے مختصر حالات بطور ضمیمہ شامل کر دیے جائیں تو بہتر ہوگا۔

۱۷۸۲ء میں پیدا ہوا اور ۱۸۵۵ء میں انتقال کیا۔ یہ فرانس کا مشہور شاعر اور ڈراما نویس ہے۔ اُنیسویں صدی میں فرانس میں جو کچھ انقلاب ہوا اُس کا بانی ہی اچھو ہے، اسے اپنی مختلف تصانیف کی بدولت سارے فرانس میں نہایت شہرت و ناموری حاصل ہے اور اس کی تحریریں انشا پر دازی کا بہترین نمونہ ہوتی ہیں۔

۱۷۹۳ء میں پیدا ہوا اور ۱۸۷۷ء میں اس نے وفات پائی۔ یہ فرانس کے بہترین فلاسفر اور انشا پر دازوں میں سے ہے پہلے اس نے وکالت کی تعلیم حاصل کی مگر انشا پر دازی کی طرف اس کا رجحان تھا۔ اس کا پہلا مضمون اخبارات کے خلاف لکھا تو اسے ملک چھوڑنا پڑا اور ۱۸۲۶ء سے ۱۸۲۷ء تک لندن میں رہا وہاں کئی ڈرامے لکھے پھر فرانس واپس آکر اپنے فلسفیانہ خطوط شروع کیے جن کی مذہبی جماعت نے سخت مخالفت کی اور کتاب جلادی گئی۔ اس کے بعد وہ ”سرسیس“ آیا اور اس کو اپنا وطن قرار دیا۔ اور ۱۵ سال تک مختلف ڈرامے لکھے جو بہت مشہور ہوئے۔ ۱۸۵۳ء سے ۱۸۵۴ء تک برلن میں رہا اسکو وزیرِ اعظم کو طعنے لگانے پر جانِ جا رک روسیہ۔ ۱۸۷۲ء میں بے مقام جنید پیدا ہوا اور ۱۸۷۷ء میں مرا۔ اس کا ابتدائی زمانہ بڑی فحاشی کا گزرا پھر میڈم ڈی دارنس سے ملاقات ہوئی اور وہ

سال تک اون کا معتد رہا۔ ۱۸۵۷ء میں بیرس گیارہ دن ڈی ڈی الٹ سے ملاقات ہو گئی۔ اوس کی حوصلہ افزائی سے لکھنا شروع کیا۔ اور اس تناوب میں تمدنی مسائل پر غور کرنا رہا۔ ۱۸۵۹ء میں ایک ناول لکھا۔ پھر ۱۸۶۰ء میں ایک اور کتاب لکھی۔ اسی سے اوس کی ترقی و شہرت کا آغاز ہوا مگر یہ دونوں کتابیں نہ ہی نقطہ نظر سے خطرناک تھیں۔ آخر سخت مذہبی مخالفت ہوئی اور بیرس چھوڑنا پڑا۔ لندن پہونچ کر اس نے دو کتابیں اور لکھیں پھر فرانس آکر مصائب میں پڑ گیا مگر سارے ملک میں ایک نئی روح بھونک رہی۔ اور نئے نئے خیالات پھیلا دیے گورنمنٹ کے بہت سے اصول میں تبدیلی پیدا کر دی۔ جو کچھ دنوں بعد انقلابی صورت میں نمودار ہوا۔

۱۸۷۰ء لوئس البرٹ ڈی میولیت۔ ۱۸۷۱ء میں پیدا ہوا اور ۱۸۷۷ء میں انتقال کیا۔ یہ فرانس کے مشہور افسانہ نگاروں میں سے۔ اس نے اپنی مادری اللہ پروردہی و معنوی نگاری کو بہت کچھ ترقی دی۔

۱۸۷۷ء ناصیف یا رجبی۔ موضع "کنفرنشا" واقع ساحل لبنان میں ۲۵۔ مئی ۱۸۷۷ء کو پیدا ہوا۔ یہ عربی علمی بیداری کا رکن اعظم اور انیسویں صدی کا بہت بڑا ادیب و شاعر۔ گھرا ہے۔ عربی زبان کا محقق اور علم نحو کا بڑا مکتبہ دس فاضل تھا۔ متعدد تالیفات کے علاوہ اسکے تین دیوان ہیں جو شعر و سخن کا سرچشمہ ہیں۔ اگرچہ یہ مسیحی تھا مگر محض قرآن شریف کی ادبیت و بلاغت کی وجہ سے اُس کو چوراہا کر لیا۔ اُس زمانے میں کتابیں میرزا علی قزین یہ خود نقل کرتا اور پڑھتا تھا۔ ۸۔ فروری ۱۸۷۷ء کو وفات پائی۔

۱۸۷۷ء ادیب ایک اتھ۔ ۲۱۔ نومبر ۱۸۷۷ء کو دمشق میں پیدا ہوا۔ ایش اسکول میں تعلیم شروع کر کے کچھ عربی و فرنیچ حاصل کی۔ باوجود کم سنی کے اپنی تعلیمات کی بدولت تمام ہم سبقوں سے

تمنا زلم اسحق کا استاد اس کے باب سے کہتا تھا کہ ”تھارائیٹو“ ال ہوگا، یعنی شاعر
چنانچہ دس سال کی عمر میں اس نے شعر کہا جب یہ بھی نہیں جانتا تھا کہ عروض کیا چیز ہے
اسی سال اوس کا خاندان گرفتار مصیبت ہوا۔ اور گیارہ سال کی عمر میں اسے ”برسہ
چھوڑنا پڑا“ آخر کوئی تیس برس ہوا پر محکمہ جنگی میں ملازمت کر لیا اس دوران میں ترکی
زبان حاصل کی اور چند ماہ میں بذریعہ تحریر و تقریر اپنا مافی الضمیر ادا کرنے پر قادر ہو گیا پھر
عربی ترکی، فریج، نظم و نثر بے بکلف لکھنے میں مہارت پیدا کی اور اخبارات میں مضامین
لکھنا شروع کیے۔ اس سال کی عمر میں اخبار ”تقدم“ کی ایڈیٹری کرنی۔ پھر کئی کتابیں
تالیف و ترجمہ کیں۔ اور مصر کے ملک الاحرار سید جمال الدین افغانی کا شاگرد ہوا اور اس کے
”مصر اور العالم العربی“ در اخبار نکالے، اور ایسے آزادانہ مضامین لکھے کہ حکومت کو
اخبار بند کرنا پڑے۔ تب پیرس اگر وہاں سے ”مصر“ نکلا۔ بعد ازاں پھر مصر آیا اور کاغذ شروع
کیا یہی تھا کہ آزاد نگاری کی وجہ سے قید ہو گیا۔ تاہم جلد آزادی مل گئی لیکن انیسویں صدی کے وسط میں
بمصر ۲۹ سال اس فاضل فی الحال کیا اس عمر میں بڑا مقروءات پڑانا و شاعر و ماہر ریاست مانا جاتا تھا
۷۷ ابراہیم نجیب حداد۔ فروری ۱۸۷۷ء میں پیدا ہوا یہ نا صیغ یا زحبی کا نواسا ہے
اپنے مانوں شیخ ابراہیم اور خلیل یا زحبی سے علم حاصل کیا۔ اور ۱۵ برس کی عمر سے
قبل شعر کہنے لگا ۱۸۹۷ء میں جریدہ ”احرام“ کا اسکندریہ میں ایڈیٹر ہو گیا۔ پھر
خود اخبار ”لسان العرب“ نکلا۔ پھر اسکندریہ سے قاہرہ اگر ایک ہفتہ دار اخبار نکلا۔
مگر پھر اسکندریہ جا کر رسالہ ”انس الکلبیں“ اور اخبار ”السلام“ کی ایڈیٹری کرنی۔ ان پر چون
کی ایڈیٹری کے علاوہ ناولوں کی تصنیف اور ترجموں کا سلسلہ بھی جاری تھا بہت سے تاریخی

ناول اور ڈرائے تصنیف کیے جو آج تمام مصر کے تھیرون میں کھیلے جاتے ہیں۔
لیکن انوس ہے کہ اس فاضل نوجوان نے ۳۷ سال کی عمر ہی میں انتقال کیا۔
شیخ ابراہیم احب گذشتہ صدی کے بہت بڑے علمائے بیروت میں سے ہیں
۱۲۶۲ھ میں بمقام طلبہ الشام پیدا ہوئے۔ اور ابتدائی تعلیم دہین پائی۔ پھر تفسیر و
حدیث و اصول فقہ افرائض، لغت، نحو اور نیز دیگر تمام ضروری علوم سے فراغت
کر کے ۱۲۶۳ھ میں درس و تدریس کا مشغلہ اختیار کیا۔ اور وہ فیض کے دریا بہائے کہ طلبہ
و شام میں آپ کے شاگردوں میں بڑے بڑے فضلاء و اہل کمال ہوئے۔

علی کمالی کے ساتھ ملکہ شغری بھی طبیعت میں بدرجہ اتم موجود تھا، اور قادر الکلامی
پر گوئی کا یہ عالم تھا کہ تقریباً اسی ہزار شعر کہے۔

جب وقت آپ سلطان عبدالعزیز کے زمانے میں آستانہ ہو کر مصر آئے ہیں تو علماء نے
بڑی گرم جوشی سے استقبال کیا۔

حنفی فقہ میں وہ کمال اور شہرت پائی کہ جبل لبنان کی تمام عدالتیں شیخ کے فتوے
پر نہایت اعتماد اور اون کی تحریر اور رائے کے موافق فیصلے کرنے لگیں۔

شیخ نے تمام عربی، علمی دنیا سے خط و کتابت کی، امراء و زرا کی شان میں قصائد کہی
خاص کر امیر مرحوم عبدالقادر جباری اور محمد صادق مرحوم پاشا بانی ٹونس کی مدح میں
بہت حصہ لیا اور انعام و اکرام پایا۔

۱۲۶۵ھ میں صوبہ "شوف" کے گورنر مسجد بے جلیلانے بلوایا اور عائم مقام شیر قازان

بنایا۔ دہان میں سال تک محکمہ قانون و شریعت کے میر محلے ہے۔ اسی اثنا میں
 ”فترات الفنون“ کی ایڈیٹری بھی کی۔ اور وہ وہ زبردست و قابل قدر مضامین لکھے
 کہ تمام میں غل عج گیا۔ جب بیروت صوبہ بنایا گیا تو آپ محلیں معارف کے رکن کیے گئے
 ساتھ ہی تصنیف تالیف، درس تدریس، اور نقل کتب کا سلسلہ بھی جاری رکھا۔ کہا
 جاتا ہے کہ خاص اپنے قلم سے ایک ہزار کتابیں نقل کیں۔

مرحوم کے تین دیوان، اور بیس سے زائد عربی بڑی کتابیں اور کثرت نظم و نثر
 مضامین و رسائل شائع ہوئے۔ سترہ احادیث مقام بیروت وفات پائی۔

آپ نہایت نیک مزاج، نیک دل، نرم لہجہ، خوش اخلاق، بزرگ نفع۔ فقہ اور
 لغت میں آپ کی معلومات کی کوئی تباہ نہیں۔ مستعدین کے بے شمار اقوال و اشعار
 حکایات و نوادر آپ کے حافظے میں تھے۔ غرض آپ غیر معمولی دل و دماغ اور بے پایاں
 معلومات کے عالم تھے۔

فہرست کتاب

نمبر شمار	مضمون	صفحہ	نمبر شمار	مضمون
۱	تقدیم	۱	۱۴	ایک چٹان پر
۲	فیلکس فارس	۲	۱۵	کلہ ریحانی
۳	مقدمہ	۳	۱۶	ایک راے
۴	یاسمین	۸	۱۷	ایک راے
۵	لاوارش بچہ	۱۹	۱۸	ایک راے
۶	غریب سوسن	۲۴	۱۹	عرض مترجم
۷	ناسور	۳۲	۲۰	ضروری نوٹ
۸	درد و ناسک	۳۹	۲۱	فہرست
۹	سوسائٹی کی شہید	۵۹		
۱۰	پڑمردہ کلی	۶۶		
۱۱	بستر نزع پر	۷۲		
۱۲	شہدائے ادب	۸۲		
۱۳	نالہائے غم	۸۸		

جدید و مفید مطبوعات

بیگمات بنگال۔ مرشد آباد کی بیگمات کا مستند تذکرہ۔ ایک بنگالی مصنف کی انگریزی کتاب کا اردو ترجمہ نہایت سلیس و نفیس دائرہ نے شائع کیا ہے۔ اردو میں اپنے موضوع کی پہلی کتاب ہے۔ بچہ دلچسپ و سبق آموز ہے قیمت ۶ ر

سیاحت زمین۔ اسی دن میں تمام کرۂ زمین کا دورہ، اور حیرت انگیز حالات ناول کے پیرائے میں جغرافیہ وغیرہ کے مسائل کو کمال دلچسپی سے حل بیان کیا ہے کہ شروع کر کے ختم کے بغیر کتاب میں چھوٹی جاسکتی اصل کتاب فریخ زبان میں ہو اور متعدد زبانوں میں اس کی غیر معمولی دلچسپی کی وجہ سے ترجمہ ہو چکا ہے قیمت ۴ ر

سیاحت ہوا۔ فن غبارہ بازی اور عالم ہوا کی سیر کے حیرت انگیز اور دلچسپ حالات۔ یہ ناول بھی سیاحت زمین کی طرح اپنے اندر سیکڑوں خوبیاں رکھتا ہے زیر طبع قیمت ۴ ر

اسلام و نیسائیت کا تمدن۔ مصر کے مشہور مصلح شیخ محمد عبدہ کے ایک نبردست رسالہ کا ترجمہ جس میں کمال خوبی و علمی اور تاریخی طور پر ثابت کیا ہے کہ اسلام، تمدن اور تہذیب کا دشمن نہیں اور نہ نیست علم و تمدن کی حامی ہے۔ قیمت ۱۰ ر

جنگ روس و جاپان و حصہ۔ لغات جنگ کی تشریح۔ روس و جاپان کے ابتدائے اب تک کے ملکی حالات اور ان کے جنگ کو دلچسپ انداز سے لکھا ہے۔ ۴ ر

حکم الہی۔ روس کے نامور فلاسفر کونٹ ٹاسٹاے نے حقانیت اسلام کے متعلق ایک رسالہ

لکھا تھا اس کا ترجمہ حوشی کے عربی میں ہوا اور اس کا یہ ترجمہ ہے ۵ ر

تاریخ المجوس۔ ابتدائے آفرینش سے آغاز اسلام تک تمام مذاہب کے تذکرے کو سادہ و سلیس انداز میں لکھا ہے اور کون لوگ پیرو ہوئے اور کس مذہب کا کیا نتیجہ ہوا۔ ۴ ر

تشریحات الافعال لانسائیہ۔ اردو میں اپنے طرز کی زالی کتاب، سر سے پاؤں تک

انسانی اعضا کی تیسرچ۔ اور حرکات انسانی اور امراض انسانی اور اول کے اسباب نہایت سلیس

طور پر سوال و جواب میں لکھے ہیں ہر حصہ پر

گورنمنٹ آف انڈیا۔ گورنمنٹ کی نوعیت، نظام گورنمنٹ یا پارلیمنٹ کو ستلوں کی تعریف

بادشاہوں کا دستور العمل ہر شعبہ کی تدبیر ترقی وغیرہ وغیرہ اس کتاب کو پڑھنا ہر ہندوستانی کا فرض ہے۔

شم احمد مدنی۔ ایک عربی ناول کا نہایت دلچسپ و دل آویز ترجمہ۔ ۴۲

زبردست علمی ناریخی کتابیں

کتابت شہلی۔ مولانا کے خطوط کا مجموعہ علمی، قومی، ادبی، اخلاقی معلومات کا خزانہ ہے۔

جلد اول، جلد دوم، جلد سوم

ارض القرآن جلد اول۔ قرآن مجید کے مقامات کا جغرافیہ اور اقوام قرآن میں سے عادات و

جہم، اصحاب نبیل کی تاریخ مع نقشہ مقامات عرب از مولانا سلیمان ندوی قیمت ۵۰

ارض القرآن جلد دوم۔ اہل عرب کی تاریخ اور عرب کی تجارت، زبان، مذہب پر تفصیلی

برکے اور اوس کا فلسفہ۔ از پروفیسر عبدالباری ندوی یورپ کے مشہور فلسفے برکے کے

پر معنویات سولہ زندگی، اوس کی فلسفیانہ تصانیف کی ناقذانہ تلخیص اوس کے فلسفہ تصویات کے

بیتقدیر اور مسئلہ تصورات کلیہ پر ایک مجتہدانہ محاکمہ ضخامت ۱۳۰ صفحے ۵۰

حیات مالک۔ امام مالک کے حالات اور اوس کے حدیث مؤطا اور فقہ مدینہ پر تبصرہ ۱۲۰

رسالہ اہل سنت والجماعت۔ فرقہ اہل سنت والجماعت کے اصول عقائد کی تحقیق۔ ۱۸

انقلاب امم۔ مسیو لیان مولت تمدن عرب کی اوش اور تصنیف کا دلچسپ سچ ترجمہ جلد اول

عروج و زوال کے اسباب یورپ کے تمدن کے زوال کی پیشین گوئی، اور تمام دنیا کی تمام قوموں کے خضا

checked

۱
۲
۸
۹
۱۰
۱۱
۱۲
۱۳

